تحریف قرآن کی حقیقت

الحرم المكي الشريف ويرى فيه الكعبة الشريفة وبئر زمزم والمقامات الاربعة وباب السلام والناس يطوفون

سید العلماء الحاج مولانا السید علی نقی النقوی مدظلہ

MAAB 1431
maablib.org

تیسرا ایڈیشن

تحریف قرآن کی حقیقت

ہدیہ برائے کتب خانہ عمدۃ العلماء
برائے ایصال ثواب
سید محبوب علی و سید جواد علی مرحومین
پسران سید حشمت علی مرحوم
سیدواڑہ صفی پور ضلع اناؤ

مُصنّفہٗ

سرکار سید العلما الحاج مولانا السید علی نقی النقوی مدظلہ
مجتہدُ العصر

قیمت تین روپیہ
مطبوعہ سرفراز قومی پریس لکھنؤ

MADAR 1431
madalib.org

فہرست مضامین

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۱	مقدمہ کتاب	۵
۲	قرآن مجید کی عظمت	۸
۳	قرآن مسلمانوں کا سب سے بڑا سرمایہ ہے	۱۰
۴	وحی آسمانی کی طرف منسوب شدہ کتابوں پر نظر۔ توریت کی سرگذشت اور اُس کے مصائب۔	۱۲
۵	انجیل اور اُس کی موجودہ حیثیت	۲۷
۶	وید مقدس کی اصلیت	۳۶
۷	قرآن کریم کے امتیازی خصوصیات	۴۴
۸	قرآن کریم آپ اپنا معیار ہے	۴۹
۹	سند حجیت یا میزان اعتبار	۵۱

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۱۰	قرآن کریم کی نسبت فریقین کا زاویۂ نگاہ	۵۴
۱۱	جمع قرآن کی کیفیت	۶
۱۲	جمع قرآن کے بعد	۶۳
۱۳	اختلاف مصاحف	۶۴
۱۴	مصحف حضرت علیؑ اور ترتیب نزول	۷۲
۱۵	آیات قرآن میں صحابہ کے اختلافات	۱۰۷
۱۶	قرآن میں کتابت کی غلطیاں	۱۳۶
۱۷	قرآن میں تغیر و تبدیل در بالفاظ دیگر تحریف	۱۴۶
۱۸	قرآن کا کثیر حصہ تلف	۱۴۸
۱۹	نسخ تلاوت کی مختصر بحث	۱۵۳
۲۰	مذکورۂ سابق تصریحات کے نتائج	۱۵۹

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۲۱	قرآن مجید کے متعلق شیعی نقطۂ نظر، تحریف قرآن کے روایات پر نظر	۱۶۳
۲۲	علما میں اتفاق و اختلاف	۱۸۲
۲۳	قائلین تحریف کا ایمان بالقرآن	۱۸۸
۲۴	قرآن مجید کے حجیت و اعتبار کی قطعی دلیل۔ ائمہ اہل بیت علیہم السلام کے اقوال	۱۹۰
۲۵	تمام بحث کا آخری نتیجہ یا میرا عقیدہ	۲۰۴

MAAB 1431
maablib.org

امامیہ مشن لکھنؤ کی دوسری دینی خدمت

۳

تیسرا دور

اس رسالہ کا تیسرا ایڈیشن پیش کرتے ہوئے ہم پروردگار عالم کا شکریہ نہیں ادا کر سکتے کہ اُس نے اس دینی و تبلیغی مشن کی طرف افرادِ قوم کو توجہ و امداد کی توفیق مرحمت فرما کر ہماری کوششوں کو اس قدر بار آور کیا کہ بحمد اللہ اب ہمارے منشورات کی تعداد سیکڑوں تک پہونچ گئی ہے اور ایک ایک رسالہ کے کئی کئی ایڈیشن طبع ہوئے ہیں۔ رسالہ مشن کے اُن مقبول رسائل میں سے ہے جو اپنی اشاعت کے بعد ایک سال کے اندر ہی دوبارہ طبع کیا گیا۔ اس کے بعد مدت دراز سے یہ نایاب تھا۔ ذرا ضخیم ہونے کی وجہ سے اس کا تیسرا ایڈیشن شائع کرنے کی نوبت نہیں آئی۔ اگر بروقت تیسرا ایڈیشن چھپا ہوتا تو یقین ہے کہ ہمارا یہ ایڈیشن چوتھا ہوتا۔ اب چونکہ افرادِ ملت کی طلب اس رسالہ کے لیے بہت ہے اس لیے اس کا ایڈیشن پیش کیا جا رہا ہے اس مرتبہ بھی مصنف علام مدظلہ نے اس میں مزید اضافے کر کے اُس کی افادیت کو بڑھا دیا ہے ہم اُمید کرتے ہیں کہ تمام اہل انصاف ایک مرتبہ پھر کامل اطمینان و سکون کے ساتھ اس کا بغور مطالعہ کر کے صحیح رائے قائم کر سکیں گے۔

خادم ملت

جمادی الاول ۱۳۸۶ھ — سید ابن حسین نقوی عفی عنہ

آنریری سکریٹری امامیہ مشن۔ لکھنؤ ۳

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ علیٰ سید المرسلین وآلہ الطاہرین۔

دنیا میں اسلام پر مخالفین کے حملے ہوتے رہتے ہیں۔ عیسائی مشن عالم کے طول و عرض میں پھیلے ہوئے ہیں اور خصوصیت کے ساتھ ہمارے آس پاس جو عیسائیت کی سرگرمیاں ہیں وہ سب کو معلوم ہیں جن سے کمزور اور بے ثبات عقیدہ کے اشخاص اسلامی عقائد سے ہاتھ دھوتے ہیں، پیغمبر اسلام صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مقدس ذات پر ایسے شرمناک الزامات عائد کیے جاتے رہتے ہیں جو حق و صداقت کے لیے سم قاتل کا حکم رکھتے ہیں۔

اس کے لیے ضرورت تھی کہ تمام مسلمان ہم آہنگ ہو کر مخالفین کے مقابلے کے لیے ایک متحد محاذ پیش کرتے اور اپنے قوے اور ذرائع کو مجتمع حیثیت سے اسلامی مشترکہ اصول کی حمایت میں صرف کرتے ہوئے دشمنان اسلام کے حملوں کا دفعیہ کرتے لیکن افسوس ہے کہ بعض افراد جو

مسلمانوں کے اندر افتراق و اختلاف کی خلیج کو وسیع کرنا اپنے لیے بڑا کارنامہ سمجھتے ہیں ہر روز ایسے ایسے مسائل معرض بحث میں لانا ضروری سمجھتے ہیں جن سے خواہ مخواہ اسلامی شیرازہ منتشر اور اتحاد اسلامی کی دیوار میں رخنہ پیدا ہو۔

کون نہیں جانتا کہ اسلام کے لیے کچھ اصول اساسی ہیں کہ اُنہی کے اعتقاد کا مجموعہ اسلام کہا جاتا ہے اور اُن میں تمام فرق اسلامیہ باوجود اپنے آپس کے اختلافات کے برابر سے شریک ہیں۔

یہ بنیادی اصول الوہیت، رسالت، کتاب منزل یعنی قرآن مجید اور روز قیامت یعنی معاد ہیں۔ فرق اسلامیہ جو اپنے کو مسلمان کہتے ہیں وہ اسی معنی سے ہے کہ مذکورۂ بالا اشیاء پر وہ ایمان لائے ہوئے ہیں۔ اس کے بعد کسی جماعت کو مسلمانوں کی دوسری جماعت کے مقابلہ میں یہ حق نہیں ہے کہ وہ اُس کے ایمان کا ان میں سے کسی شے کے متعلق انکار کرے۔

اور پھر جبکہ ایمان و اعتقاد امر باطنی ہے جس کے ادراک تک حواس ظاہریہ کا دسترس نہیں اور انکار کرنے والا عالم الضمائر والخفیات (رازہائے قلبی اور اسرار نہانی پر مطلع) نہیں ہے اور ایمان رکھنے والا اعلان کے ساتھ اپنے ایمان کا اظہار کر رہا ہے اور اُس کے افعال و اعمال بھی اُس کے عقیدہ کے ترجمان ہیں۔

اس کے بعد یہ افتراق انگیزی اور اختلاف ریزی نہیں تو کیا ہے کہ کسی جماعت پر اُس کے اعلان و اظہار کے برخلاف یہ الزام عائد کیا جائے

کہ تم قرآن پر ایمان نہیں رکھتے جس کا قدرتی جواب اُس جماعت کی طرف سے یہ ہے کہ تم خود ایمان نہیں رکھتے۔

نتیجہ ظاہر ہے کہ آپس کی لڑائی غیروں کی ہنسائی، فریق ثالث کو یہ رائے قائم کرنے کا حق حاصل ہو گیا کہ ان میں سے کسی کا بھی ایمان قرآن پر مسلم حیثیت نہیں رکھتا اور اس طرح خود قرآن کے مسلّمہ وقعت و اعتبار میں شبہہ پیدا کرنے کا موقع نکل آیا۔

کیا اسلام کی محبّت اور اُس سے ہمدردی کا تقاضا یہی ہے؟ ہرگز نہیں اگر اسلام سے سچی محبّت ہو تو لازم یہ ہے کہ اس قسم کے سوالات کو اٹھا کر افتراق کا مظاہرہ نہ ہونے دیا جائے۔ بلکہ تمام فرق اسلامیہ کے اس متفقہ عقیدہ کو کہ قرآن مجید وحی سماوی اور کتاب ربانی منزل من اللہ رسول ص کا اعجاز ہے، اس میں کوئی شک و شبہہ کی گنجائش نہیں اور نہ اس میں ذرہ برابر باطل کا شائبہ ہے اور اس پر ایمان و اعتقاد کامل تمام مسلمانوں کے اسلام کا جزو اعظم ہے"۔ اسی متفقہ و متحدہ صورت پر باقی رہنے دیا جائے

میں نے نہ اس لیے قلم اٹھایا ہے کہ کسی کے ایمان بالقرآن کی نفی کروں اور نہ اس کو کوئی مفید خدمت اسلام کی سمجھتا ہوں بلکہ میرا مقصد یہ ہے کہ مسئلہ تحریف قرآن پر جو اس قسم کے مباحث کا رنگ بنا دیے ہے تاریخ و حدیث و درایت کی روشنی میں انتقادی نظر ڈالتے ہوئے فریقین کے مذہبی روایات اور تاریخی مندرجات کے رو سے قرآن مجید کے اعتبار و استناد پر ایک مکمل تبصرہ کروں۔

قرآن مجید کی عظمت

پیغمبر اسلامؐ کی نبوّت کا زندہ ثبوت

گذر گئے انبیائے سلف اور مُردہ ہو گئیں اُن کی نبوتیں اس لیے کہ اُن کی بنیاد ایسے دلائل پر تھی جو وقتی طور پر اتصاف کی شرط سے منکرین کے سر تسلیم کو خم کرانے کے لیے کافی تھے لیکن اُن میں دوام و استمرار کا جوہر نہ تھا۔ اُن میں اتنا دم نہ تھا کہ وہ زمانہ کی سیلابی رفتار میں اپنے وجود کو محفوظ رکھ سکیں۔ وہ ایک خاص وقت اور جزو زمانہ کے پابند تھے جو اُس وقت کے منقضی ہونے پر خود بھی رخصت ہو گئے اور اپنے بعد کے لیے صرف افسانہ کی صورت پر اپنا تذکرہ چھوڑ گئے جو دس بیس برس تک اگر مشاہدہ کرنے والی جماعت کی موجودگی کے باعث تواتر کی حیثیت رکھنے کی وجہ سے ناقابل انکار بھی تھا تو اس سے زیادہ زمانہ گذرنے کے بعد اور خصوصاً دوسری تیسری صدی میں تو وہ مشکوک اور مشتبہ حکایات کا مجموعہ ہو گیا جن میں ناقلین کی کثرت نیت اور بھول چوک کی وجہ سے پیدا شدہ اختلافات نے اور زیادہ کمزوری پیدا کر کے اُن کو توہم پرستیوں کا کرشمہ سمجھنے کے کافی وجوہ پیدا کر دیے۔

مسلمانوں کے لیے قرآن مجید میں اگر ابراہیمؑ و موسیٰؑ و عیسیٰؑ وغیرہ دیگر انبیا کی نبوّت اور اُن کے بعض معجزات کا تذکرہ نہ موجود ہوتا تو کبھی ان کو تسلیم کرنے کے وجوہ پائے نہ جاتے اور اسی لیے وہ اشخاص جو اپنی اپنی قوم میں بڑے مرتبوں پر

قائل کہے جاتے ہیں جیسے زردشت اور گشتاسپ اور ہندوستان کے قدیم رہنما اُن کی نبوت کبھی وہم و احتمال کے دائرہ سے نکل کر اعتقادی حدود میں داخل نہیں ہو سکتی اسی لیے کہ اُن کی مقدسانہ زندگی کے متعلق جتنے بھی حیرت انگیز کرامات کی شہرت اُن کی جماعت کے اندر ہو لیکن وہ کسی غیر جانبدار شخص کو جو اُس جماعت سے تعلق نہ رکھتا ہو اُن کی طرف جذب کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتی کیونکہ اُس شہرت میں خوش عقیدگی اور سادہ لوحی اور توہم پرستی کا عنصر بہت حد تک کارفرما سمجھا جا سکتا ہے۔

کریں نیاز فتحپوری معجزات حضرت عیسیٰ کا انکار، ہم اُن کے دعوائے اسلام کی بنا پر یہ کہہ کر تو چُپ کر دیں گے کہ آپ مسلمان ہیں اور قرآن مجید میں اِن معجزات کا تذکرہ موجود ہے۔ لہذا آپ کو انکار کا حق نہیں چنانچہ چند برس پہلے میں نے ایک مبسوط مقالہ "اعجاز عیسوی" کے عنوان سے "نگار" کے مذکورہ بالا خیالات ہی کی رو میں قلمبند کیا تھا جو الواعظ کی متعدد اشاعتوں میں مسلسل طور پر شائع ہوا لیکن اُس مضمون میں جہاں تک دیکھا جائے یہی ہے کہ قرآنی ادلہ سے صاف طور پر اِن معجزات کا ثبوت پیش کر کے "مدیر" "نگار" نے اُس کے خود ساختہ تاویلات کر کے جو دھاندھلی کرنا چاہی ہے اُس کا پردہ فاش کیا گیا ہے۔ وہ مضمون مسکت ضرور ہے اور اسی بنا پر "نگار" کو پھر اُس پر قلم اُٹھانے کی جرأت نہیں ہوئی لیکن یہ اُسی وقت تک کہ جب تک مدیر "نگار" اپنے کو مسلمان کہے جاتے ہیں اور اگر وہ جرأت کر کے یہ کہہ دیں کہ میں قرآن کی آیتوں کو نہیں مانتا تو پھر اُن کی فتح اور ہماری شکست، ہم

پھر معجزات عیسیٰ کا کوئی ثبوت اُن کے سامنے پیش نہیں کر سکتے اس لیے کہ حربہ ہمارے ہاتھ میں ایک ہی تھا جس کو اُنھوں نے ہم سے چھین لیا مگر پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی یہ خصوصیت ہے کہ حضرتؐ کی نبوت دنیا کے آخری دَور تک ہر وقت زندہ ہے۔ حضرتؐ کی نبوت و رسالت کی بنیاد صرف اُن وقتی معجزات پر نہ تھی جو اُس زمانہ میں موجود ہونے والے اشخاص ہی کے سر تسلیم کو خم کر اسکتے بلکہ حضرت کے دعوے کی بُنیاد اس قرآن مجید پر ہے جو چودہ سو برس کے قریب گذرنے کے بعد بھی اس وقت زندہ ہے اور دُنیا کو حق و صداقت کی طرف دعوت دے رہا ہے۔

قرآن مسلمانوں کا سب سے بڑا سرمایہ ہے

دنیا تہی دست ہے جبکہ اُس کے پاس قرآن کے مثل کوئی کتاب نہیں لیکن مسلمان قرآن کی بدولت اُس خزانۂ عامرہ کے مالک ہیں جس کی نظیر صفحۂ رُوزگار میں مل نہیں سکتی۔

تباہ ہو جائیں سابقہ اسلامی سلطنتیں اور مٹ جائے اُن کا جاہ و جلال لیکن جب تک مسلمانوں کے ہاتھوں میں قرآن موجود ہے وہ دنیا کے اقوام میں سر بلندی کے مالک ہیں۔ حقانیت و صداقت کا علم اُن کے سر پر لہراتا اور غیبی طاقت و جبروت کا پرچم اُن کے ساتھ ہوا میں اُڑ رہا ہے۔

قرآن جس طرح اپنی فصاحت و بلاغت کے اعتبار سے مشرکین عرب کے

لیے معجزہ تھا جو اس قلمرو میں خداوندی کے مدعی تھے اُسی طرح وہ اپنے حقائق و اسرار کی حیثیت سے بھی معجزہ ہے۔

اُس کی آیتوں میں وہ بیش بہا جوہر نظر آتے ہیں جو بڑے سے بڑے فلسفی کو اپنی حقانیت کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنے پر مجبور کرتے ہیں۔ اُس میں علوم و فنون کے وہ اسرار و دقائق مندرج ملتے ہیں جن کو سالہا سال کی تحقیقات کے بعد معلوم کرنا سرمایۂ افتخار سمجھا گیا ہے۔

اس میں ایسے اکتشافات کا بھی پتہ ہے جن سے دُنیا قرآن مجید نازل ہونے کے تیرہ سو برس بعد تک بھی بے خبر رہی اور اب تحقیق و جستجو کے ہاتھوں نے پردہ ہٹا کر اُن حقائق کو سامنے پیش کر دیا ہے۔

پیش کریں مسلمان اور شوق سے پیش کریں اس قرآن کو تمام مذاہب عالم کے سامنے، بلند کریں آواز اور شوق سے اور اس طرح کہ دنیا کی وسیع فضا گونج اُٹھے اور پھر دعوت دیں کہ تمام فلاسفۂ دنیا، تمام علوم و فنون کے ماہر، تمام تمدن و اخلاق و علم النفس و سیاست و اجتماع اور مذاہب و ادیان کے راہنما اس کی ایک ایک سطر ایک ایک جملہ بلکہ ایک ایک حرف کو دیکھیں اور درس لیں پڑھیں اور اُس میں غور کریں یقیناً غلط فریبی کے پردے جو آنکھوں پر پڑے ہیں اُٹھ جائیں گے، قرآن کی حقانیت آفتاب نیم روز بن کر چمکے گی اور دنیا کو اپنا حلقہ بگوش بنالے گی۔ یہ ہے قرآن کہ جو مسلمانوں کا سب سے بڑا سرمایہ اور اسلام کا خزانۂ عامرہ ہے۔

وحی آسمانی کی طرف منسوب شدہ کتابوں پر نظر

وہ کتابیں جو الہامی سمجھی جاتی ہیں اور وحی آسمانی کی طرف منسوب کی جاتی ہیں اُن کے متعلق اگر خود اُن کے ماننے والوں کے محررات کی روشنی میں نظر کی جائے تو اُن کی تاریخ زندگی ایسے حوادث و انقلابات کا مجموعہ نظر آتی ہے جن کی بنا پر کسی صورت سے وثوق کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا کہ اُن کے کسی جزو کا وجود بھی دُنیا میں باقی ہے اور یہ کہ جسے اُن کے متبعین سر اور آنکھوں پر رکھ رہے ہیں اور خدا کا کلام سمجھتے ہیں اُس میں کوئی آدھا، چوتھائی جملہ بھی اُس حقیقی وحی سے عیناً مطابق ہے جو پیغمبروں پر نازل ہوئی تھی۔

توریت کی سرگذشت

توریت کہ جو یہود و نصاریٰ کی متفقہ کتاب اور اس لحاظ سے مخصوص اہمیت کی مالک ہے اُس کی تاریخ عجب روح فرسا مصائب پر مشتمل ہے جن میں سے ہر ایک اُس کی زندگی کو فنا کر دینے کی ضامن ہے۔

پہلی مصیبت اُس کے امانت دار اور حامل (بنی اسرائیل) کا بار بار دیانت موسویہ سے کنارہ کشی کر کے ارتداد اختیار کرنا اور تمام قوم کا من حیث المجموع بیک مرتبہ خدا پرستی کو ترک

کر کے بت پرستی شروع کر دینا جس کے نمونے دو چار نہیں بلکہ دو تین صدی کے اندر دس بیس کی تعداد یا اس سے زیادہ تک پہونچتے ہیں۔

بھلا وہ قوم کہ جو خود موسیٰ کی زندگی میں حقائق آلہیہ سے اتنی بعید تھی کہ بات بات پر توحید کا دامن ہاتھ سے چھوڑ کر شرک اختیار کرتی تھی وہ موسیٰ کے بعد کب دیانت موسویہ پر قائم رہ سکتی تھی۔ چنانچہ ابھی موسیٰ کے وصی یوشع کے انتقال کو کچھ زیادہ عرصہ گذرنے نہ پایا تھا کہ بنی اسرائیل نے اپنے خدائے برحق کو چھوڑکر دوسرے خداؤں کی پرستش شروع کردی اور اُن کو سجدہ کرنے لگے جس کی سزا میں خدا نے ایسے اقوام کو مسلّط کیا جنھوں نے اُن کو غارت اور اُن کے اموال کو برباد کیا اور اُن کو غلام و کنیز بنا کر فروخت کیا، اُس کے بعد وقتاً فوقتاً خدا مصلح پیدا کرتا رہا تھا لیکن ادھر ایک مصلح کا انتقال ہوتا تھا اُدھر پوری قوم کی قوم کفر و شرک اختیار کرلیتی تھی۔

(سفر قضاۃ باب ۲ ف ۱۱ - ۱۹)

بنی اسرائیل کا قیام کنعانین وحتیین و اموریین وغیرہ کے درمیان ہوا اور اُن سے میل جول بڑھا یہاں تک کہ اُن کی لڑکیوں کی شادی اُن کے یہاں اور اُن کی لڑکیوں کی شادی اُن کے یہاں ہونے لگی جس کا نتیجہ یہ تھا کہ اُن کے خداؤں کی پرستش کرنے لگے اور اپنے خدا کو بالکل بھول کر بتوں کا پوجا پاٹ کرنے لگے جس کی پاداش میں خدا نے پوری قوم کو کوشان رشعتایم بادشاہ آرام النہرین کی غلامی میں دے دیا (باب ۳ فقرہ ۵ - ۸)

گذشتہ پاداش سے عاجز آکر توبہ وانابت کی اور خدا نے اُن کو اُس غلامی سے نجات دی لیکن چالیس ہی برس گذرے تھے کہ پھر پوری قوم دین سے پلٹ گئی جس کی سزا میں خدا نے عجلون بادشاہ مواب کو مسلط کیا اور ۱۸ برس تک تمام بنی اسرائیل کو اُس کی غلامی کرنا پڑی (فقرہ ۱۲-۱۴)

اس کے بعد خدا نے رحم کھا کر نجات دی مگر اسّی برس کے بعد پھر بنی اسرائیل نے شرارت شروع کر دی اور خدا نے یابین بادشاہ کنعان کو مسلط کیا جس نے بنی اسرائیل کو بیس برس تک سخت ترین تکلیفیں پہونچائیں (باب ۴۔ فقرہ ۱-۴)

پھر چالیس برس صبر وسکون میں گذرے اور اس کے بعد پانچویں مرتبہ بنی اسرائیل نے شرک اختیار کیا اور بت پرستی شروع کی جس کی سزا میں سات برس مدیان کی غلامی کرنا پڑی (باب ۱۶-۱۔ فقرہ ۱)

چھٹی مرتبہ جدعون کے انتقال کے بنی اسرائیل پھر موسوی دیانت سے پلٹ گئے اور بتوں کی پرستش کرنے لگے اور اُس خدا کو بالکل بھول گئے جس نے اُن کو چند مرتبہ ظالمین سے نجات دی تھی۔ باب ۸۔ فقرہ ۳۳-۳۴)

ساتویں دفعہ اُس وقت جب یائر جلعادی قاضی کا انتقال ہوا تھا بنی اسرائیل نے شرک اختیار کیا اور کثیر التعداد بتوں کی پرستش شروع کر دی اور خدا کی عبادت کو ترک کر دیا جس کی وجہ سے خدا نے اُن کو فلسطینوں کے ہاتھ بیچا اور اُنھوں نے اٹھارہ برس اتنی سختی سے حکومت کی کہ بنی اسرائیل کی ہڈیوں پسلیوں کو چورا کر دیا (باب ۱۰۔ فقرہ ۶-۸)

پھر عبدون بن ہلیل فرعتونی کی وفات کے بعد ان لوگوں نے اسی قسم

کے افعال کا اعادہ کیا جس پر دوبارہ اُن پر فلسطینیوں کو چالیس برس تک کے لیے مسلط کیا گیا (باب ۱۳ فقرہ ۱)

مختصر یہ ہے کہ موسوی لوگ موسیٰ کی تعلیم کے خلاف دوسرے اقوام سے میل جول بڑھا کر اُن کے اخلاق و عادات سے متاثر ہوتے اور اُن کے بتوں کی پرستش کر کے شرک کو اختیار کرتے تھے اور اپنے لڑکوں لڑکیوں کو بتوں کی خاطر قربانی کرتے تھے جس کی بنا پر متعدد بار خدا کا غضب اُن پر نازل ہوا اور ہر مرتبہ اُن پر ظالمین کو مسلّط کیا جاتا تھا جو اُن کی انتہائی توہین و تذلیل کرتے تھے اور پھر مرتبہ خدا نے توبہ و انابت کے بعد اُن کو نجات دی لیکن وہ لوگ متفقہ طور سے اُس کی نافرمانی ہی کرتے رہے (مزمور ۱۰۶ فقرہ ۳۴-۴۳)

جب سلیمان کا انتقال ہوا اور مملکت بنی اسرائیل دو حصّوں میں منقسم ہو گئی ایک جماعت نے جو یہودا و بنیامین کی نسل سے تھی صبعام کو منتخب کیا اور باقی جتنے اسباط کی اولاد تھی اُنھوں نے یربعام کو اپنا بادشاہ تسلیم کیا، یربعام نے اُن کے لیے دو گوسالے سونے کے تیار کرلئے اور اعلان کیا کہ خدا یہی ہیں جن کی پرستش کرنا لازم ہے چنانچہ اُن کی پرستش جاری ہو گئی اور ان کے اطراف و جوانب میں کاہنین نے ڈیرے ڈال دیئے اور ایک طویل عرصہ تک اُن کی پرستش جاری رہی (سفر ملوک اول باب ۱۲- فقرہ ۲۵-۳۳)

حد یہ تھی کہ اخاب کے زمانہ میں صنم کی طرف دعوت دینے والے چار سو پچاس نبی تھے اور مختلف ستونوں کے جن کی پرستش ہوتی تھی چار سو نبی تھے۔

ملوک اول باب ۱۸ - فقرہ ۱۹)

یہ حالت ان لوگوں کی ہوشع بن ایلہ کے عہد سلطنت تک قائم رہی کہ اس میں اضافہ ہوتا رہا یہاں تک کہ ہر سر بلند ٹیلے کے اوپر اور سرسبز درخت کے نیچے اصنام نصب کیے اور اُن کی نذر کے لیے آگ روشن کی اور خدا کے تمام فرائض و حدود کو ترک کر دیا اور باطل کی پرستش کی اور اپنے لیے طلائی گوسالے ڈھلوا کر بنوائے جن کی عبادت کرتے تھے جس کی پاداش میں غضبناک ہو کر رب نے اُن کی تمام قوم کو ذلیل کر دیا اور اشوریین کے حوالہ کیا جنھوں نے اُن کو لوٹا اور برباد کیا (ملوک دوم باب ۱۷ فقرہ ۷ - ۱۰)

عتلیا بنت عمری کی اولاد کے زمانۂ سلطنت میں بیت المقدس کو منہدم کر دیا گیا اور تمام معابد الٰہیہ صنم پرستی کے لیے وقف ہو گئے (اخبار ایام ثانی باب ۲۴ فقرہ ۷)

یہو دیاداع کے انتقال کے بعد تمام رؤسا ملک یواش کے پاس آئے اور اُس کو سجدہ کیا اور خدا کی عبادت کو ترک کر کے بت پرستی اختیار کر لی (باب ۲۴ فقرہ ۱۷ - ۱۸)

امصیا نے بادشاہ ہو کر بنی ساعیر کے بت لا کر اُن کے درمیان رکھے اور اُن کو سجدہ کیا اور اُن کے لیے آگ روشن کی (باب ۲۵ فقرہ ۱۴ - ۱۵)

احاز کی سلطنت ہونے پر پھر مورتیں تراشی گئیں جن کی عبادت ہوتی تھی اور اولادیں قربانی کے لیے جلائی گئیں اور بلندیوں کے اوپر شاداب درختوں کے نیچے پرستش کے لیے بت نصب کیے گئے جس کی پاداش میں ملک

آرام کے ہاتھوں ان میں سے ایک لاکھ بیس ہزار آدمی قتل ہوئے اور لاکھوں آدمی قید کیے گئے۔ (باب ۲۸- فقرہ ۲-۶)

ان لوگوں نے بیت المقدس کے دروازوں کو بند اور اُس کے چراغوں کو خاموش کر دیا اور خدائے برحق کی عبادت ترک کر دی (باب ۲۹ فقرہ ۷)

بیت المقدس میں اتنی نجاست جمع ہو گئی تھی کہ حزقیال نے جب اُس کی تطہیر کا ارادہ کیا تو آٹھ دن میں وہ نجاستیں ہٹائی گئیں (باب ۲۹ فقرہ ۱۶-۱۹)

حزقیال کے بعد اُس کے بیٹے منسی نے پھر کفر و شرک کی بنیادیں قائم کیں اور وہ تمام اصنام جو اُس کے باپ نے منہدم کیے تھے از سرِ نو قائم کر دیئے اور تمام یہودیوں کو گمراہ کر کے ایسے افعال کرائے جو گذشتہ نسلوں کے افعال سے بھی زیادہ قبیح تھے

(باب ۳۳ فقرہ ۱-۱۰)

بھلا ایک ایسی قوم جس نے مذہبی حیثیت سے اتنے پلٹے کھائے ہوں اور اتنی مرتبہ ارتداد کو اختیار کر کے کفر و شرک اور بت پرستی کے راستے پر لگی ہو اُس کے متعلق کہاں یہ اطمینان ہو سکتا ہے کہ اُس نے کتابِ الٰہی اور توریت حقیقی کو اُس کی اصلی حالت پر رہنے دیا ہو گا یا اُس کی حفاظت میں کوئی اہتمام کیا ہو گا اُس کی کفر پروری اور باطل پرستی کا اقتضا یہ ہے کہ وہ اُس میں اپنی خواہش کے مطابق طرح طرح کے اضافے کر کے اس کو اپنے مذاق کے

موافق بنالئے اور پھر جب کہ ہم کو موجودہ توریت کے اندر جا بجا شرک و تعدد آلہہ کے عقیدہ کی جھلک بھی نظر آرہی ہے جس کا ایک نمونہ یہ ہے کہ توریت عبرانی میں اکثر مقامات پر خدا کا تذکرہ کرنے کے موقع پر لفظ "الوھیم" کا اطلاق ہوا ہے اور عبرانی میں "م" علامت جمع ہے جس کی بنا پر معنی اس کے ہوئے "خدایان" جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن کی مذہبی افتاد طبیعت کا اثر توریت پر پڑے بغیر نہیں رہا اور اُن شرک و صنم پرستی کے مسلسل و متواتر تظاہرات نے توریت کے اندر بھی رنگ آمیزیاں کی ہیں۔

دوسری مصیبت توریت کا اصلی نسخہ جو موسیٰ نے خود لکھ کر اولاد لاوی کے سپرد کیا تھا اُس کے متعلق ہدایت یہ تھی کہ وہ تابوت عہد رب کے پہلو میں بیت المقدس کے اندر رکھا جائے (سفر تثنیہ باب ۳۱ نقرہ ۲۵-۲۶)

لیکن اس کے بعد تابوت عہد رب میں جو انقلابات ہوئے اُن میں اس نسخہ کا کچھ پتہ نہیں چلتا، وہ وقت کہ جب فلسطینیوں نے بنی اسرائیل پر غلبہ حاصل کیا۔ اور بنی اسرائیل نے انتہائی شکست کے خوف سے تابوت کو بیت المقدس سے نکال کر عبرانیین میں منتقل کیا اور فلسطینیوں کو اس کی اطلاع ہوگئی جس کی بنا پر ایک مرتبہ انھوں نے حملہ کر دیا اور اسرائیلیین نے تابوت کو چھوڑ کر فرار کیا اور اہل فلسطین نے تابوت پر قبضہ کر لیا اُس وقت اس نسخہ کا کوئی تذکرہ نہیں (صموئیل اول باب ۴)

پھر جب داؤد نے اس تابوت کو بیت عوبید میں منتقل کیا اور تین

مہینے وہاں رکھنے کے بعد اپنے شہر صیہون میں لے گئے وہاں بھی اس نسخہ کا کوئی ذکر نہیں۔

(صموئیل دوم باب ۶)

پھر جب سلیمان نے تابوت رب کو خیمۂ اجتماع اور تمام مقدس ظروف کے ساتھ جو اُس خیمہ میں تھے صیہون سے بیت المقدس کی محراب میں منتقل کیا تب بھی اس نسخہ کا نام و نشان نہیں۔ یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ یہ نسخہ تابوت کے اندر تھا اس لیے کہ اس موقع پر تابوت کے اندر بتصریح عہد قدیم صرف وہ دو پتھر کی لوحیں تھیں جو مصر سے نکلتے وقت اُنھوں نے بطور معاہدہ بنی اسرائیل کے لیے مقام حوریب میں تابوت کے اندر رکھی تھیں (ملوک اول باب ۸ فقرہ ۱-۱۰)

اگر یہ امر تسلیم بھی کر لیا جائے کہ یہ نسخہ تابوت کے پاس بیت المقدس کی محراب کے اندر موجود تھا تو کیا وہ اُس وقت باقی رہ سکتا ہے جب رحبعام کے زمانہ میں شوشق بادشاہ مصر نے اورشلیم پر چڑھائی کر کے خانۂ خدا کے تمام خزانہ اور بیت المقدس کی ہر چیز کو (بلا استثنار) لوٹ کر اپنے قبضہ میں کر لیا تھا۔

(ملوک اول باب ۱۴ فقرہ ۲۵ و ۲۶)

اگر وہ اُس وقت باقی بھی رہ گیا ہو تو کیا وہ اُس وقت وہ سکتا ہے۔ جب عثلیا کی اولاد نے بیت المقدس کو منہدم

کر دیا تھا اور جتنی مقدس چیزیں اس میں تھیں وہ اپنے بت بعلیم کے لیے لے گئے تھے جس کے بعد یواش اور یہودیا کو دوبارہ بیت المقدس کے ازسرنو اُس کی سابق بنیادوں پر تعمیر کی ضرورت ہوئی تھی (ایام دوم باب ۲۴ فقرہ ۷ - ۱۳)

فرض کیجئے اس وقت بھی وہ نسخہ باقی رہا تو کیا اُس وقت بھی وہ باقی رہا جب یہواش مشرک نے اورشلیم میں آکر اُس کی چار دیواری کو چار سو ہاتھ کی مسافت تک منہدم کر دیا اور جتنا طلا و نقرہ اور جتنے ظروف بیت المقدس میں موجود تھے سب کو قبضہ میں کر لیا۔ (ملوک دوم باب ۱۴ فقرہ ۱۳ - ۱۴)

اچھا اس وقت وہ باقی رہا تو کیا اُس وقت وہ تلف نہیں ہوا جب احاز مشرک نے تمام بیت المقدس کی اشیاء کو ضبط کر کے بیت المقدس کے دروازوں میں قفل لگا دیئے اور شلیم کے ہر گوشہ میں اپنے لیے مذابح یعنی قربانی کے مقامات مقرر کیے۔ (ایام ثانی باب ۲۸ فقرہ ۲۴)

اور کیا اُس جماعت نے اس نسخہ کو چھوڑ دیا تھا کہ جس نے بیت المقدس کو نجاست سے اس طرح مملو کر دیا تھا کہ آٹھ دن اُس کی صفائی میں صرف ہوئے (باب ۲۹ فقرہ ۱۷)

درایت کے اصول پر ان واقعات کو دیکھنے سے یہ یقین پیدا ہو جاتا ہے کہ توریت کا اصلی نسخہ باقی نہ تھا اور وہ انقلابات و حوادث کی نذر ہو گیا تھا۔

تیسری مصیبت | توریت کے اصلی نسخہ کے سوا کسی دوسرے نسخہ کا وجود بھی

صدرِ اول میں پایا نہیں جاتا اور اگر پایا بھی جائے تو وہ صرف دو ایک شخصوں کے پاس محدود تھا اور عام طور سے اُس کے نسخوں کی اشاعت نہ ہوئی تھی اور اس لحاظ سے اگر اصلی نسخہ مفقود ہو جاتا تو اس کا قائم مقام ملنا ممکن نہ تھا اور اُن پر کوئی افتاد پڑتی خواہ اُس کو مفقود کر کے دوسرا اُس کی جگہ پر ایجاد کر لیا جاتا یا خود اُسی میں کمی زیادتی کر کے تراش خراش کی جاتی تو اُس کی عام طور پر شناخت کا کوئی ذریعہ نہ تھا۔

عہد مقدس میں تصریح موجود ہے کہ بنی اسرائیل پر بہت ایسے وقت گذرے ہیں کہ نہ اُن کے لیے کوئی سچا خدا تھا اور نہ کوئی تعلیم دینے والا کاہن جس کے تعلیمات پر وہ چلتے اور نہ اُن کے لیے کوئی شریعت موجود تھی۔

(ایام دوم باب ۱۵ فقرہ ۳)

اور عبرانی نسخہ میں یہ ہے کہ نہ اُن کے پاس اُس زمانہ میں توراۃ تھی۔

وہ وقت کہ جب یوشیا نے شافان کاتب کو بیت المقدس میں وہاں کے کاہن حلقیا کے پاس بیت المقدس کے بعض داخلی انتظامات کے لیے بھیجا ہے اُس موقع پر حلقیا نے کہا کہ مجھے بیت المقدس میں سفر الشریعہ (توریت) دستیاب ہوا ہے اور وہ سفر شافان نے لا کر بادشاہ کے پاس پیش کیا اور اُس کو پڑھ کر سُنایا، بادشاہ نے اُس کو سُن کر اپنے کپڑے پھاڑ ڈالے اور کاہنوں کو بُلا کر ہدایت کی کہ وہ بارگاہ خدا میں توبہ و انابت کریں اُن مضامین کی جہت سے جو اس دستیاب ہونے والے سفر میں ہیں اس لیے کہ ہم نے اور ہمارے آباء و اجداد نے اب تک ان تعلیمات پر عمل نہیں کیا۔

(ملوک دوم باب ۲۳ فقرہ ۸۔۱۳)

نیز بادشاہ نے تمام بزرگان یہود اور یروشلیم کو جمع کیا اور بادشاہ ان سب کو لے کر بیت المقدس کی جانب گیا اور ان سب کو وہ سفر پڑھ کر سنایا اور خدا کے ساتھ عہد و پیمان لیا کہ اب وہ اُس کے احکام پر عمل کریں گے اور بادشاہ نے کاہنوں کو حکم دیا کہ وہ بیت المقدس سے تمام اُن اسباب و آلات کو جو صنم پرستی کے لیے وہاں جمع کیے گئے تھے نکال کر اور یروشلیم کے باہر آگ میں جلا دیں اور اس طرح جتنے فسق و فجور اور کفر و شرک کے ذرائع بیت المقدس کے اندر اور ارد گرد تھے سب کو تباہ و برباد کر دیا۔

(باب ۲۳)

اس واقعہ سے صاف ظاہر ہے کہ اس کے قبل سفر توریت موسائیوں کے ہاتھ میں موجود نہ تھا اور وہ مفقود ہو چکا تھا جب ہی حلقیا کے ذریعہ سے بادشاہ نے جو توریت کے مضامین کو سنا تو وہ از خود رفتہ ہو گیا اور وہ اس کو عجیب چیز معلوم ہوئے اور ان تعلیمات کو سن کر جواب تک ان کے گوش زد نہ ہوئے تھے ان تمام لوگوں پر خوف و ہراس طاری ہوا۔

پھر جبکہ توریت کا نسخہ اُس کے پاس موجود نہ تھا تو اس بات کی کون سی ضمانت ہو سکتی ہے کہ حلقیا نے جو کتاب توریت کہہ کر دی وہ حقیقۃً توریت ہی تھی؟

کیا ممکن نہیں کہ بادشاہ کو صحیح راستے پر لگانے کے لیے یہ حلقیا کی ایک چالاکی ہو جو بر موقع نتیجہ خیز ثابت ہوئی۔

پھر اُس موقع پر کہ جب بنی بابل سے یہ لوگ نجات پا کر واپس ہوئے اور خدا پرستی کی طرف توجہ کی تو تمام جماعت نے متفقہ حیثیت سے عزرا کاتب کے پاس آکر مطالبہ کیا کہ وہ سفر توریت کو لا کر اُن کے سامنے پڑھ کر سُنائے چنانچہ عزرا اس سفر کو لے کر تمام جماعت کے سامنے جو مزدوروں سے مخلوط تھی لے کر آیا اور صبح سے دوپہر تک اس کو پڑھ کر سُناتا رہا تمام مجمع گوش بر آواز تھا اور توریت کے مضامین کو سُن کر اُن کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔

دوسرے روز تمام بڑے بڑے پادری اور کاہن اور لاویین عزرا کے پاس جمع ہوئے کہ وہ اُن کو آیات توریت کے معنی سمجھائے چنانچہ اُس میں لکھا ہوا پایا کہ بنی اسرائیل ساتویں مہینہ میں عید کے دن چھتوں کے نیچے بسر کریں جس کو سُن کر سب چھتوں کے بنانے میں مشغول ہو گئے (سفر نحمیا باب ۸)

توریت میں یہ بھی لکھا دیکھا کہ عمونیا اور موہیا کبھی موسائیوں کی جماعت میں داخل نہ ہونے پائیں اس لیے کہ انھوں نے بنی اسرائیل کے ساتھ کوئی ہمدردی نہیں کی، یہ سُن کر ان لوگوں نے مذکورہ بالا اشخاص کو جماعت سے جدا کر دیا (نحمیا باب ۱۳)

اس سے بھی غیر مشتبہ طور پر یہ ثابت ہوتا ہے کہ توریت کا وجود صرف عزرا سے مخصوص تھا یہاں تک کہ آبار، یسوعیین اور کاہن لوگ جو حقیقۃً توریت کے امانت دار تھے اُن کے پاس بھی اُس کا وجود نہ تھا ورنہ ان سب کو باتفاق عزرا کے پاس جمع ہو کر توریت کے سُننے اور سمجھنے کی ضرورت نہ تھی اور نہ اس توریت سے ایسے احکام پر وہ مطلع ہوتے جن سے اب تک وہ بالکل بے خبر

تھے اور اب توریت کے سننے کے بعد اُن کو توجہ پیدا ہوی

جب توریت کا وجود اتنی محدود حیثیت رکھتا تھا کہ وہ ہر وقت صرف ایک شخص کے پاس محفوظ تھا تو اب توریت کا اصلی حالت پر باقی رہنا صرف اُسی شخص کے رحم وکرم کا پابند ہے ورنہ اگر کہیں پر شخصی ونفسانی اغراض نے قلم کو جنبش دے دی تو اس کی نہ داد ہو سکتی ہے نہ فریاد اس لیے کہ سوائے اُس کے کوئی شخص توراۃ پر مطلع ہی نہیں ہے۔

مثال کے طور پر کیا یہی نہیں ممکن کہ عمونیا و موابیا کے جماعت سے نکال دیئے جانے کا حکم جو توریت میں تازگی کے ساتھ پایا گیا اور موسائیوں کو خواہ مخواہ اُس پر عمل کرنا پڑا وہ کسی ذاتی کاوش کا نتیجہ ہو کہ جو عزرا کو اُن اشخاص سے پیدا ہو گئی تھی۔

یقیناً جبکہ توراۃ ایک یا دو شخصوں کا مخصوص سرمایہ قرار پا گئی تو اب نہ اُس میں تواتر کا دعویٰ ہو سکتا ہے اس لیے کہ تواتر کے لیے اتنی جماعت کی ضرورت ہے جن کا خلاف واقعہ بات کے بیان کرنے پر متفق ہو جانا ناممکن ہو اور نہ اُس کے کسی قسم کی تحریف وتبدیل کے خلاف کوئی ضمانت ہو سکتی ہے۔

چوتھی مصیبت خود کتاب مقدس میں متعدد جگہ اس کے تصریحات پائے جاتے ہیں کہ توریت میں تحریف ہوی ہے اور وہ اپنی اصلی حالت پر باقی نہیں ہے۔

ملاحظہ ہو سفر ارمیا باب ۲۳ فقرہ ۳۶۔

"وحی الٰہی کا تو نام ہی نہ لو اس لیے کہ وحی ہر شخص کی وہی ہے جو اُس کا کلام ہو اور تم نے خدا کے کلام میں تحریف کر دی ہے۔"

نیز باب ۸ فقرہ ۹۔

کس طرح تم کہتے ہو کہ ہم حکمار ہیں اور شریعت خدا (توریت) ہمارے پاس ہے۔ یقیناً یہ غلط ہے۔ اس شریعت کو تو لکھنے والوں کے دروغ گو قلم نے بدل دیا ہے۔"

سفر اشعیا باب ۲۹ فقرہ ۱۶ میں ہے۔

"اُف رے تمھاری تحریف"

افسوس ہے کہ ان تصریحات میں تحریف کی نوعیت کو بھی بتلایا نہیں دیا گیا ہے جس کی بنا پر ہر قسم کی تحریف کا شبہ ہو سکتا ہے اور پھر سفر ارمیا والے پہلے فقرہ سے تو صاف ظاہر ہے کہ تحریف اس حد پر ہوئی جس نے اُس کو درجۂ اعتبار سے ساقط کر دیا جب ہی کہا جاتا ہے کہ "وحی آسمانی کا نام نہ لو۔"

اور دوسرے فقرہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تحریف احکام الٰہیہ کو بھی صدمہ پہونچائے بغیر نہیں رہی جب ہی یہ کہنے سے منع کیا گیا ہے کہ شریعت خدا ہمارے پاس موجود ہے۔

ان تمام مصائب کے بعد جنھوں نے کتاب مقدس کی زندگی کو مشکوک بنا دیا یہ کسی صورت پر باور نہیں کیا جا سکتا کہ موجودہ توریت یا اُس کا کوئی ایک جزو بھی بالکل وہی ہے جو موسیٰ پر نازل ہوئی تھی بلکہ پوری کتاب کے

متعلق یہ شبہہ پیدا ہونے کا حق ہے کہ وہ کسی جدت طرازی اور طبع آزمائی کا نتیجہ ہے جس طرح اُس کے ہر ہر جزو کے متعلق یہ خیال کیے جانے کا موقع ہے کہ وہ کسی کی تراش وخراش کا نتیجہ ہو۔ اور اس کے بعد کسی ایک لفظ کے متعلق بھی بہ وثوق یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ یقیناً وحی آسمانی کے مطابق اور خدا کا کلام ہے۔

اور پھر لطف یہ ہے کہ خود اُس میں ایسے شواہد موجود ہیں جو بتلا رہے ہیں کہ وہ پورے کا پورا خدا کا کلام نہیں ہے جو موسیٰ پر نازل ہوا تھا یہاں تک کہ سفر تثنیہ کے باب ۳۴ میں موسیٰ کی وفات کا قصہ اور بنی اسرائیل کی ان پر گریہ وزاری تک کا تذکرہ موجود ہے چنانچہ اُس میں لکھا ہے۔

"موسیٰ زمین مواب میں انتقال کر گئے اور وہیں دفن ہوئے اور آج تک کسی کو اُن کی قبر کا پتہ نہیں چلا اور موسیٰ کی عمر اُس وقت ایک سو بیس برس کی تھی باوجود اُس کے ان کی آنکھوں کی بصارت اور اُن کے چہرے کی شادابی میں فرق نہ آیا تھا۔ بنی اسرائیل تیس دن تک موسیٰ پر گریہ وزاری کرتے رہے اور یوشع بن نون روح حکمت سے پر تھے اس لیے کہ موسیٰ نے اپنا ہاتھ اُن پر رکھا تھا، بنی اسرائیل نے ان کی اطاعت کی اور اُن احکام پر عمل کیا جو رب نے موسیٰ کو دیے تھے، موسیٰ کے بعد پھر کوئی ویسا نبی بنی اسرائیل کو نصیب نہیں ہوا جس سے خدا منھ در منھ شناسائی پیدا کرے"

یہ لفظیں ہرگز اُس توراۃ کی نہیں ہو سکتیں جو خدا نے موسیٰ پر نازل کی تھی۔ بلکہ صاف طور پر ظاہر ہے کہ وہ موسیٰ کے انتقال سے بہت دن کے بعد تصنیف کی گئی ہیں۔

انجیل اور اُس کی موجودہ حیثیت

توریت کے بعد دوسرا نمبر انجیل کا ہے اس لیے کہ وہ عیسائیوں کی مقدس کتاب ہے جو مذاہب عالم کی مردم شماری میں اس وقت اول درجہ رکھتے ہیں بیشک انجیل آسمانی کتاب ہے جو رب کی جانب سے عیسیٰؑ پر نازل ہوئی تھی لیکن کیا اُس کا وجود باقی ہے اور کیا موجودہ اناجیل جن کے ہزار ہا زبانوں میں ترجمے ہو چکے ہیں اور ہر سال لاکھوں کی تعداد میں شایع ہوتے ہیں ان میں کوئی حصہ اور کوئی جزو بھی یقینی طور پر وحی آسمانی ہے؟ افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ اس کا جواب نفی میں ہے۔

انجیل کے متعلق گوناگوں وجوہ پر نظر کرنے سے اس امر کا کوئی اطمینان باقی نہیں رہتا کہ موجودہ اناجیل میں وحی الٰہی کا بھی کوئی حصہ ہے۔

پہلی وجہ

اس میں کوئی شبہہ نہیں کہ عیسیٰؑ پر جو انجیل نازل ہوئی تھی وہ ایک ہی تھی اس میں دو تین چار یا اس سے زیادہ کی تعداد کا شبہ تھا لیکن انجیل کے نام سے جو کتابیں تصنیف ہوئیں اُن کی تعداد دس بیس پچاس سے گذر کر سو بلکہ اس سے زیادہ تک پہونچ گئی جس کی تصریح اکابر مسیحیین کے کلمات میں موجود ہے۔

عیسیٰؑ کے آسمان پر اُٹھائے جانے کے چار سو برس بعد اختلافات سے عاجز آکر ان پانچ انجیلوں پر اتفاق کیا گیا جن میں سے چار یہی ہیں کہ جو مشہور ہیں اور ایک انجیل مصبوہ ہے جس کو بہت کم لوگ جانتے ہیں اور وہ بطرس کی طرف منسوب

ہے جس میں مریم کی زبانی مسیح کے بچپنے کے حالات کا تذکرہ ہے۔ اس صورت حال کے دیکھنے پر کیا یہ امر صاف ظاہر نہیں ہے کہ انجیل کا اصلی نسخہ عیسائیوں کے پاس موجود نہ تھا اسی لیے ؎

ہر بوالہوس نے حسن پرستی شعار کی

جس شخص کا دل چاہا اُس نے اُٹھ کر اپنے دل سے ایک انجیل تصنیف کر کے عیسیٰ کی طرف منسوب کر دی اور اگر فرض بھی کیا جائے کہ ان نسخوں میں سے کوئی ایک حقیقی انجیل کا نسخہ تھا تو کیا ممکن نہیں کہ اُن پچانوے چھیانوے میں ہو کہ جنھیں درجہ اعتبار سے ساقط کر کے چھوڑ دیا گیا اور ان چار پانچ انجیلوں میں سے کوئی بھی حقیقی انجیل سے تعلق نہ رکھتا ہو۔

اور اگر وہ نسخہ ان چار کے اندر موجود بھی ہو تو جبکہ ان چار میں لفظی و معنوی ہر قسم کے اختلاف اور تناقضات پائے جاتے ہیں تو اس کی تعیین کیونکر ہو سکتی ہے اور در صورت عدم تعیین اِن چاروں کو برابر سے کلام الٰہی اور وحی آسمانی سمجھنا جو عیسائیوں کا نقطۂ نظر ہے کہاں تک صحیح ہو سکتا ہے؟

دوسری وجہ اُس وقت کہ جب مسیح شیطان کی آزمائش کے بعد واپس ہوئے ہیں اور پہلے پہل بیت المقدس کی طرف گئے ہیں کہ اپنی رسالت کی تبلیغ یہود میں کریں تو پہلی بات جو عیسیٰ کی زبان سے نکلی تھی وہ یہ کہ زمانہ کا دور پورا ہو چکا ہے اور خدا کی سلطنت کا عہد قریب آ گیا ہے۔ اب تم لوگ توبہ کرو اور انجیل پر ایمان لاؤ (انجیل مرقس باب ا فقرہ ۱۵)

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ کوئی چیز اُس وقت موجود تھی جس کا نام انجیل

تھا اور کون نہیں جانتا کہ اُس وقت جو ابتدائی دور رسالت مسیح کا تھا اُن واقعات میں سے کہ جو موجودہ اناجیل کے اندر مذکور ہیں کسی کا پتہ بھی نہ تھا۔ اسی سے یہ بات سمجھ میں آجاتی ہے کہ موجودہ اناجیل وہ نہیں ہیں کہ جن پر عمل کی دعوت عیسیٰ نے اپنے ابتدائے نبوّت ہی سے دی تھی۔

تیسری وجہ مسیحی دیانت کی نشو ونما ناصرہ میں کچھ ماہی گیروں کے گروہ میں ہوئی تھی جن کو علم اور ادب سے کوئی بہرہ نہ تھا اور پھر یہ لوگ یہودیوں کی کثیر التعداد جماعت کے اندر بے کسی اور بے بسی کی زندگی بسر کر رہے تھے اس لیے مسیح کے واقعات اور تعلیمات خود ان کے زمانہ میں قلم بند نہ ہوئے مسیح کو بھی اُن ہمت شکن مصائب کی بدولت جو اُنھیں آخر وقت تک یہودیوں کے ہاتھوں برداشت کرنا پڑے جن کی وجہ سے اُن کو بہت کم عمر ہی میں زمین پر سے اُٹھا لیے جانے کی ضرورت محسوس ہوئی یہ موقع نہ مل سکا کہ وہ اپنے تعلیمات کی جمع آوری کا انتظام کریں۔ اُن کے ساتھ والوں کو جو آخر تک تعداد میں بہت کم رہے تھے اتنا بھی موقع نہ ملا تھا کہ وہ اُس انجیل کو جو عیسیٰ پر نازل ہوئی تھی اپنے پاس نقل کر کے محفوظ رکھ سکیں اور اُس انجیل میں سے سوا بعض فقرات کے جو معدودے چند افراد کو کہیں کہیں پر سے یاد تھے کوئی جزو بھی اُن کے پاس بقید تحریر میں نہ تھا مسیح کے اُٹھائے جانے کے بعد ہی اُن میں جنگ و جدال کا بازار گرم ہو گیا جس میں ہزاروں آدمیوں کی جانیں تلف ہوئیں۔ اور ان پریشانیوں کے باعث مذہبی بنیادوں کے مضبوط کرنے کی کوئی فکر نہ ہو سکی۔

وہ چند فقرات انجیل کے جو سینوں میں محفوظ تھے اُن میں بھی امتداد زمانہ نے تغییر و تبدل پیدا کر دیا پھر جس کو اپنا اثر و رسوخ قائم کرنا ہوا اُس نے اپنی طرف سے اضافہ کر کے ایک انجیل تیار کر دی جس کی صحت کا دار و مدار بھی صرف اُسی شخص کے دعوے پر ہے جو اُس انجیل کا مصنّف ہے۔

چوتھی وجہ | موجودہ اناجیل میں سب سے زیادہ معتبر و مستند انجیل متی ہے اس لیے کہ متی باتفاق مسیحین حواریین حضرت عیسیٰ میں سے تھے اور اُن کی انجیل مسیح کے اُٹھائے جانے گئے آٹھ برس کے بعد تمام دیگر اناجیل سے پہلے عالم وجود میں آئی ہے لیکن اس انجیل کی تاریخ اتنی تاریک ہے کہ اُس میں تحقیق کا روشن ترین چراغ بھی جھلملا کر گل ہونے لگتا ہے۔

یہ امر شواہد و تصریحات کی بنا پر ناقابلِ انکار ہے کہ انجیل متی کی اصل عبرانی زبان میں تھی جو انھوں نے تازہ ایمان لانے والے یہودیاں اور شلیم کی خاطر سے لکھی تھی لیکن افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ انجیل کا وہ اصلی نسخہ اب دُنیائے مسیحیت میں موجود نہیں ہے اور وہ آج یا آج سے سو برس پہلے نہیں بلکہ دوسری یا تیسری صدی عیسوی ہی میں مفقود ہو چکا تھا، اُس کے مفقود ہونے کے بعد یہ ترجمہ نکلا جو یونانی میں ہے اور جو اب دوسری زبانوں کے تراجم کی اصل ہے لیکن اس مترجم کا کوئی پتہ نہیں معلوم کہ یہ کون شخص تھا اور اُس کے خصوصیات کیا تھے؟ وہ مسیحی تھا یا یہودی یا کسی دوسرے مذہب کا شخص؟ اور آیا اُس کو اس ترجمہ کے ذریعہ سے مسیحی تعلیمات کا پھیلانا مقصود تھا یا اُن کو مٹانا؟ اور کیا اُس کو عبرانی و یونانی دونوں زبانوں میں اتنی قابلیت بھی تھی کہ اُس کے

ترجمہ پر کامل اعتماد کیا جائے ؟ اور مذکورہ بالا صورت حال میں کیا یہ شبہ پیدا نہیں ہوتا کہ ترجمہ کی نشر و اشاعت کے موقع پر اصل انجیل کا مفقود کر دینا اسی غرض سے تھا کہ جو دل بخواہ تصرفات کیے گئے ہیں اُن کا راز فاش نہ ہو سکے اور وہ پردہ جو اُن پر پڑا ہوا ہے وہ زیادہ گہرا ہو جائے اور کسی شخص کو ممکن نہ ہو کہ وہ اصلی نسخہ کے ساتھ مطابقت کر کے اُس کی غلطیوں کو طشت از بام کر دے۔

پھر جب یہ صورت ہے تو نصاریٰ کی سادہ لوحی نہیں تو کیا ہے کہ وہ اس انجیل پر ایمان لائے ہوئے ہیں اور یقین کیے ہوئے ہیں کہ وہ متی کی لکھی ہوئی ہے ؟ حالانکہ اُس کے مترجم کا پتہ نہیں اور نہ معلوم کتنی گمراہ کُن باتیں اُس میں ایسی درج کر دی گئی ہیں جن سے نہ متی کی روح خوش ہو گی اور نہ حضرت مسیح اُن کو پسند فرماتے ہیں۔ کیا نہیں ممکن کہ عبرانی نسخہ کسی یہودی کے ہاتھ میں پڑ گیا ہو اور اُس نے صرف مسیحی تعلیمات کو برباد کرنے کی غرض سے اُس میں جو چاہا اپنی جانب سے تصنیف کر کے لگا دیا ہو۔

پانچویں وجہ انجیل متی کے علاوہ جو انجیلیں ہیں اُن کے مصنفین نے حضرت عیسیٰ کے تعلیمات کو بذات خود حاصل کرنا تو در کنار اُن کی صورت بھی نہیں دیکھی۔

مرقس لاوی کی اولاد میں سے ایک یہودی شخص تھا جس نے بطرس کی شاگردی اختیار کی اور اہل رومیہ کی فرمائش سے اس انجیل کو تصنیف کیا (کتاب مروج الاخبار فی تراجم الابرار مصنفہ بطرس قرماج مسیحی مطبوعہ بیروت ۱۸۸۰ء)

عیسائیوں کا یہ دعویٰ کہ مرقس نے اس انجیل کو پطرس کی صواب دید کے مطابق تیار کیا تھا اور اس طرح اس کا سلسلہ عیسیٰ کے حواریین تک پہونچتا ہے سند کا محتاج ہے۔ کسی کا دوسرے شخص کی شاگردی میں ہونا اس امر کا ذمہ دار نہیں ہوسکتا کہ شاگرد جو کچھ لکھے وہ حرف بحرف استاد کی طرف منسوب ہو۔

اب رہ گیا تیسری انجیل کا مصنف لوقا اس کے متعلق دنیائے نصرانیت میں اتنا اختلاف ہے کہ ہم اس کو جہالت اور گمنامی میں انجیل متی کے مترجم کا ثانی سمجھ سکتے ہیں۔

اتنا اتفاقی مسئلہ ہے کہ یہ شخص پولوس کا شاگرد تھا اور اس نے کبھی مسیح کی صورت نہ دیکھی تھی۔ یہ انطاکیہ کا رہنے والا طبیب تھا اور بعض نے کہا ہے کہ مصور تھا۔

بعض علمائے نصاریٰ نے اس کی تصریح کی ہے کہ لوقا نے اس انجیل کو مرقس والی انجیل کے بعد لکھا ہے اور اس وقت پطرس و پولوس دونوں کا انتقال ہوچکا تھا اور اس انجیل کے الہامی ہونے کا عقیدہ تو یہیں سے تشریف لے جاتا ہے ——

رہ گئی انجیل یوحنا اس کی حالت اور زیادہ گریہ خیز ہے۔ پہلے تو یہ امر پایۂ تحقیق کو نہیں پہونچ سکا کہ اس انجیل کے مصنف وہ یوحنا ہیں جو عیسیٰ کے شاگردوں میں سے تھے بلکہ بعض علمائے مسیحیین کا خیال ہے کہ یوحنا کی انجیل مدرسہ اسکندریہ کے ایک طالب علم کے زور قلم کا نتیجہ ہے۔

اور بعض ارباب تحقیق نے صاف طور پر لکھا ہے کہ انجیل اور جتنے رسالے یوحنا کی

طرف منسوب ہیں وہ اُن کے نہیں ہیں بلکہ کسی نے دوسری صدی عیسوی کے اوائل میں تصنیف کر کے یوحنا کے سر تھوپ دیا ہے تاکہ لوگوں کی نظر میں اُن کا وقار ہو۔

اُس پر طرہ یہ کہ اس کتاب کی سبب تصنیف جو بتلائی جاتی ہے وہ خود اُس کے الہامی ہونے سے انکار کرتی ہے۔ اس کا تذکرہ ترجمۂ انجیل مصنفہ جرجس زدین لبنانی مطبوعہ بیروت ۱۸۷۳ء میں موجود ہے اور اُس کا خلاصہ یہ ہے کہ رومیہ میں بادشاہ کی جانب سے یوحنا کے متعلق حکم ہوا کہ وہ زندہ پکتے ہوئے تیل میں ڈال دیئے جائیں لیکن ان کو موت نہ آئی اُس وقت وہ جزیرۂ باطموس کی طرف جلاوطن کر دیئے گئے۔ بادشاہ کے مرنے کی خبر سن کر یہ پھر مقام افسس کی جانب گئے۔

شیر نیطوس اور ابیبوں اور اُن کے ساتھ والے چونکہ مسیحی مذہب کو اس عقیدہ کے ساتھ رکھتے تھے کہ عیسیٰ ایک انسان نہ تھے بلکہ خدائی درجہ رکھتے تھے اس لیے ۹۶ء میں تمام ایشیا کے پادری جمع ہوئے اور انھوں نے یوحنا سے خواہش کی کہ وہ حضرت عیسیٰ کے متعلق ایک انجیل تصنیف کریں جس میں وہ چیزیں درج ہوں جو اب تک دوسری انجیلوں میں درج ہونے سے رہ گئی ہیں اور خاص طور پر اُس میں مسیح کی الوہیت کو ثابت کریں۔ ان لوگوں کے اصرار پر یوحنا کو مجبور ہونا پڑا اور اُن کی خواہش کو رد کرنا ممکن نہ ہوا۔

اس بیان سے حقیقت صاف نظر آنے لگتی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ اس انجیل کے وجود میں آنے کا باعث کیا تھا؟ بات یہ ہے کہ عیسیٰ کے زمین پر

سے اُٹھنے کو جتنا زمانہ زیادہ گذرتا تھا نئے نئے اور بدعت آمیز عقیدوں کی پیداوار بڑھتی جاتی تھی اور حقائق کی جگہ توہمات کا دائرہ وسیع ہوتا جاتا تھا۔ پہلی دوسری اور تیسری انجیل کی تصنیف تک عیسیٰ کے تعلیمات کا کچھ اثر باقی تھا جس کی بناء پر اُن میں الوہیت مسیح کا صریحی تذکرہ نہیں ہے لیکن اس کے بعد اِس عقیدہ نے کافی ترقی کی اور اس عقیدہ کے مبلغین نے محسوس کیا کہ یہ بہت بڑی کمزوری ہمارے اس عقیدہ کی ہے کہ ہماری انجیل اس سے خالی ہے اور ایسے اہم مسئلہ کا اُس میں کوئی تذکرہ نہیں۔

بس پھر کیا تھا۔ ایک نئی انجیل کے تصنیف کی رائے ٹھن گئی اور آخر وہ یوحنّا کے قلم سے پوری ہو گئی۔

کیا اس صورت حال کے بعد اس انجیل کو الہامی کہا جا سکتا ہے؟

مسیحین نے یہ بات نکالی ہے کہ یوحنا نے جب انجیل لکھنے کا ارادہ کیا ہے تو مخصوص طور پر ایک قلبی نماز خدا کی بیعت کے ساتھ ادا کی تھی تاکہ روح القدس اُن پر وحی لاتے رہیں لیکن افسوس ہے کہ رجوع قلب سے نماز پڑھنا اس امر کی سند نہیں ہو سکتا کہ اس انجیل میں جو کچھ لکھا گیا وہ روح القدس کی لائی ہوئی وحی سے ورنہ علمائے نصاریٰ روزانہ ایک قلبی وروحانی نماز پڑھ کے وحی اُترو الیا کرتے۔

چھٹی وجہ خود انجیلوں کے دیکھنے اور سرسری نظر سے بھی ان کا مشاہدہ کرنے سے یہ امر ثابت ہو جاتا ہے کہ یہ وہ کتاب نہیں ہے جو خدا نے عیسیٰ پر نازل فرمائی تھی بلکہ وہ درحقیقت مسیح کی تاریخ زندگی اور سوانح

حیات کا مجموعہ ہے جس کو چار شخصوں نے متغایر لیکن ملتے جلتے پیرایوں میں جمع کیا ہے اور ایک کو دوسرے کے تحریرات سے اختلاف و تناقض کی پرواہ بھی نہیں ہے ان کی ابتدار اور انتہار خود اُن کی تاریخی حیثیت کی شاہد ہے۔

انجیل متی کی ابتدا "باب اول کتاب نسب نامہ عیسیٰ مسیح بن داؤد بن ابراہیم" سے اور انتہا وفات عیسیٰ اور اُن کے دفن و کفن اور زندہ ہو کر آسمان کی طرف جانے پر ہوی ہے انجیل مرقس کی ابتدا یحییٰ تعمید دہندہ کے قصہ اور عیسیٰ کے بعض کرامات سے ہوئی ہے اور انتہا پھر عیسیٰ کی وفات د دفن و کفن وغیرہ کے حالات پر ہے۔

انجیل لوقا کے شروع میں تو خود اُس کے مصنّف کی جانب سے بہت صاف صاف لکھا گیا ہے کہ یہ اُن واقعات و حکایات کا مجموعہ ہے جو مجھ کو موثق ذرائع سے اور پیش رو معتبر راویوں سے معلوم ہوے ہیں اور مجھ کو صلاح معلوم ہوی کہ اُن کو حرف بحرف سلسلہ وار تحریر کروں۔ انتہا اس کی بھی عیسیٰ کی وفات اور ان کے بعد والے واقعات پر ہوئی ہے

انجیل یوحنا کی ابتدار بھی یحییٰ کی حکایت سے اور انتہا عیسیٰ کے انجام کار پر ہو گئی ہے اور آخر میں صریحی طور پر لکھا گیا ہے کہ یہ وہ واقعات ہیں جن کو عیسیٰ کے ایک شاگرد نے اپنی آنکھوں سے دیکھا اور اُن کو اپنے قلم سے لکھا ہے اور وہ مصنف انجیل کے نزدیک صحیح و درست ہیں یہ عیسائیوں کی سادہ لوحی ہے کہ وہ باوجود ایسے صریح علامات و امارات کے موجودہ انجیل کو عیسیٰ پر اُتری ہوی الہامی کتاب سمجھتے اور اُس کو وحی الٰہی کی طرف منسوب کرتے ہیں۔

وید مقدس کی اصلیت

انجیلوں کی طرح وید بھی چار ہیں۔ رگوید۔ یجروید۔ سام وید اتھرب وید۔ سناتن دھرمی ہندوؤں کا خیال ہے کہ ان چار کتابوں میں صرف وہ منتر ہیں جو عبادت کے موقع پر تلاوت کیے جاتے ہیں۔ لیکن کسی قسم کے قانون اور قاعدے جو انسان کو صحیح راستے پر لگائیں اور ایسے احکام جن کی پابندی فرض ہو اُن کے اندر موجود نہیں ہیں اور اگر ہیں تو وہ ایسے مبہم طور پر ہیں کہ جن سے اعلیٰ درجہ کے پاک نفس اور روشن ضمیر اشخاص ہی مستفید ہو سکتے ہیں۔ اس بنا پر وہ لوگ براہمن گرنتھوں کو جن کے نام شت پتھ گوپتھ۔ ایتریہ۔ اور تانڈپتہ ہیں وید کی جگہ پر سمجھتے ہیں اور انہی کو ہر طرح کے ہدایات کا مجموعہ خیال کرتے ہیں اور اُن کے بعد منوسمرتی وغیرہ کا درجہ ہے لیکن سوامی دیانند سرسوتی جو آریہ سماج کے موسس اور بانی ہیں اُنھوں نے مذکورہ بالا ویدوں کو بہت زیادہ اہمیت دی، اُن کی تعلیم یہ ہے کہ ہر قسم کے احکام اور معارف انہی ویدوں سے حاصل کیے جا سکتے ہیں اور سوا ان چار ویدوں کے باقی کسی کتاب سے سروکار رکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔

اس غرض کے لیے اُنھوں نے ستیارتھ پرکاش" لکھی ہے جس میں ویدوں کی تفسیر اپنے طبع زاد خیالات کی بنا پر اس عنوان سے کی ہے کہ معنی کو لفظ سے اور شرح کو متن سے کچھ لگاؤ ہی نہ معلوم ہو اور اس طرح اُنھوں نے اس دعوی کو حد ثبوت تک پہونچانے کی کوشش کی ہے کہ دُنیا کے ہر مشکل سے مشکل مسئلہ کو

حل کرنے والے وید مقدس ہی ہیں۔ اس طرح پر آریہ مذہب کا تمام سرمایہ بلکہ شہ رگ حیات وید ہی رہ جاتے ہیں لیکن افسوس ہے کہ جب ہم ان ویدوں کے سند و اعتبار پر نظر ڈال کر آخر کی کڑی کو اوّل سے ملانے کی کوشش کرتے ہیں تو تاریکی کا ایک موج زن دریا سامنے آجاتا ہے جس میں اختلافات کے بھنور نقطۂ تحقیق کو دُور سے دُور تر بنا دیتے ہیں۔

اِن ویدوں کی اصلیت اتنے پردوں میں مخفی ہے جن کا اُٹھانا اُن کے عقیدت مندوں کے امکان سے باہر ہے۔

پہلا پردہ "وید کس پر نازل ہوئے" یہی ایک ایسا سوال ہے جو اب تک مسلّمہ حیثیت سے طے نہیں ہوا ہے سناتن دھرمی صاحبان کا یہ قول ہے کہ دنیا کے شروع میں پرمیشور نے برھما نامی دیوتا کو پیدا کیا اور انہی کو یہ چاروں وید پڑھا دیئے۔ بعض حضرات کا یہ خیال ہے کہ وید چار نہیں بلکہ ایک ہی تھا جسے برھما نے اپنے شاگردوں یعنے رشی لوگوں کو پڑھایا تھا اور بہت زمانہ کے بعد وہ ایک سے چار حصّوں میں تقسیم کیے گئے۔ یورپ کی سنسکرات داں جماعت کا قول یہ ہے کہ چاروں وید چار مختلف زمانوں میں تصنیف ہوئے ہیں۔ چنانچہ سب سے پہلے رگ وید ہے جو کہ نہایت قدیم ہے۔ کچھ سناتنی اصحاب کا یہ بھی قول ہے کہ اول ایک ہی وید تھا لیکن ویاس جی نے اس خیال سے کہ اس زمانہ کے لوگ اس قدر محنت نہ برداشت کرسکیں گے کہ اُس کو پڑھیں اُس کو چار حصّوں میں تقسیم کر دیا اور ہر ایک کو از بر کرنے والوں کے خاص خاص خاندان برہمنوں میں مخصوص ہو گئے چنانچہ ویدی رشی

ایک وید والا) دوبے (دو وید والا) تواری (تین وید والا چوبے (چار وید والا) اب تک برہمنوں کی خاص خاص ذاتیں بنی ہوی ہیں۔ ان سب کے خلاف سوامی دیانند سرسوتی بانی آریہ سماج نے جو جدت طرازی کے گرویدہ تھے یہ فیصلہ کیا ہے کہ چار وید چار شخصوں پر نازل ہوے ہیں جن کو رشی یا مہرشی کہا جاتا ہے اور وہ چاروں آغاز آفرینش میں بغیر ماں باپ کے پیدا ہوے تھے اور اُن چاروں ملہموں سے ہی برھما جی نے چاروں ویدوں کو پڑھا تھا۔

پھر بھلا ایک ایسی کتاب کا کیا وزن ہو سکتا ہے جس کے متعلق خود اُس کے ماننے والے اب تک یہ طے نہ کر سکے ہوں کہ وہ نازل کس پر ہوی تھی؟

دوسرا پردہ وید خدائی کلام ہے یا مخلوق کا ساختہ؟ یہ بھی اب تک ہندوؤں اور آریوں میں مسلمہ حیثیت سے طے نہیں پایا ہے۔

کہیں تو یہ بلند بانگ دعوا ہے کہ انسانی ایجاد سے مبرّا الیشور اور اس کے احکامات کے مبین کلمات کا نام وید ہے" دسرسوتی جی کی کتاب "رگوید آدمی بھاشیہ بھومکا" مطبوعہ اجمیر طبع سوم صد۲)

اور اسی بنا پر آگے بڑھ کر صہ۲۹ پر ہے کہ" وید اور اُس کے ماسوا جملہ الفاظ قدیم ہیں"، حالانکہ قدامت کا دعوے اُن تصریحات کے مطابق بالکل پادر ہوا ثابت ہوتا ہے جن میں سلسلۂ تخلیق و تکوین میں ویدوں کا تیسرا یا چوتھا

ہدایہ برائے کتب خانہ عمدۃ العلماء
برائے ایصال ثواب
سید محبوب علی و سید جواد علی مرحومین
پسران سید حشمت علی مرحوم

نمبر قرار دیا گیا ہے۔

چنانچہ اتیر پتہ براہمن میں لکھا ہے۔

" پرجاپتی نے خواہش کی کہ میں ظاہر ہوں بہت ہوں اس نے نہایت غور وخوض سے دیکھا اور اپنے پورے تدبر کے بعد پرتھوی لوک (کرۂ ارض) انترکش لوک (عالم وسطی) اور دیو لوک (عالم علوی) تین طبقوں کو پیدا کیا پھر ان تینوں طبقوں کو بنظر غور دیکھکر اُن سے تین جیوتی یعنی شعاعین پیدا کیں طبقہ ارضی سے اگنی وسطی سے وایو اور علوی سے سوریہ اُن تینوں جیوتیوں سے نہایت تفحص کے بعد اُس نے تین وید پیدا کیے اگنی سے رگ وید۔ وایو سے یجروید۔ اور سوریہ سے سام وید۔

اور اسی مضمون کی عبارتیں شت پتھ براہمن اور گوپتہ براہمن اور چھاندوگیہ اُپ نشد میں بھی موجود ہیں۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو پنڈت ستیہ دیوجی کی کتاب " ویدوں کے ظاہر کنندہ" مطبوعہ بنارس

اور پرشنو آپ نشد کے چھٹے پرشن کے چوتھے منتر میں تو ویدوں کا ساتواں آٹھواں نمبر قرار دے دیا گیا ہے۔" اُس ہستی مطلق نے (پہلے) پران کو پیدا کیا اس کے بعد امید کو اُس کے بعد خلا کو آتش پانی اور زمین کو اُس کے بعد حواس عشرہ اور دل کو اُن کے بعد اناج سے مادۂ انسانی کو اُس سے تپ (ریاضت) کو اُس سے منتروں کو۔"

مذکورہ بالا عبارات میں باوجود اُن اختلافات کے جو موجود ہیں اتنا ضرور مشترک حیثیت سے پایا جاتا ہے کہ وید خدا کا کلام یا براہ راست اس کے

مخلوق ہیں۔ لیکن اس کے بالکل برخلاف بعض مقدس کتابوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان ویدوں کے بنانے والے انسانی نوع کے افراد ہیں اور ان کا براہ راست کوئی تعلق خدا سے نہیں ہے۔ چنانچہ ہری بنش پوران ادھیائے ۸ شلوک ۵۰ سے ۵۳ تک لکھا ہے کہ منتر اور دیا کرن اُن عالم علوی میں رہنے والے سات رشیوں کے تپ (ریاضت) کا نتیجہ ہیں کہ جنھیں دنیا دار لوگ ماضی و حال مستقبل تینوں زمانوں میں صاحب منتر دیا کرن اور باحشمت سمجھ کر سرنگوں ہوتے ہیں۔ کیوں کہ یہ ساتوں رشی سات اوصاف سے متصف عمر دراز منتروں کے مصنّف و مالک کہلاتے ہیں"۔ اور پنڈت ستیہ ورت شام شرمی اپنی کتاب (ترئی پرچیے) ۴۷ میں تحریر کرتے ہیں۔

وید ہمارے گذشتہ رشیوں کے ذریعہ بنائے گئے ہیں یہ بالکل صحیح عقیدہ ہے"۔

صاحب ہیمانسا کسی ایسے شخص کا قول نقل کرنے کے بعد جس کا خیال ہے کہ سمرتیاں مستند نہیں ہیں اس لیے کہ دھرم کا سرچشمہ وید ہے، وید کے علاوہ سب کچھ غیر مستند یا قابل ترک ہے کیونکہ وہ خدائی کلام نہیں ہے"۔

اس کے جواب میں رقمطراز ہیں کہ:۔

"سمرتیاں یقینی طور پر مستند ہیں کیونکہ ویدوں اور سمرتیوں دونوں کے بنانے والے برابر ہیں"۔

اس عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ وید کے بنانے والے مثل سمرتیوں کے مصنفین کے انسان ہیں اور وہ خدائی کلام نہیں۔

(مہابھارت کا دھارمک اتھاس) صہ ۳۲ میں لکھا ہے کہ" وید کسی خاص کتاب کا نام نہیں ہے بلکہ مختلف رشیوں کے لاثانی تجربات کے خاص اصولوں کے مجموعہ کا نام ہے۔

صہ ۳۵ میں ہے پرانے زمانے کے ہندوستانیوں نے خود ہی اپنی تاریخ ان ویدوں میں جمع کر رکھی ہے"

صہ ۳۶۸ "سنسکرت زبان میں جامع وید کے مانند اور کوئی کتاب پرانی نہیں مگر یہ بھی نہیں کہا جاسکتا کہ یہ پانچوں جامع ایک ہی وقت میں تھے اور ان میں ایک ہی قسم کا دھرم ظاہر کیا گیا ہو" ادینا اچاریہ کی کتاب کسما نجلی صہ ۴۲

وید انسانی کلام ہے کلام ہونے کی حیثیت سے مہابھارت کی طرح وید انسانی حکایات ہیں۔

پھر ایک ایسی کتاب جس کے متعلق خود اُس کے معتقد اس پر متفق نہ ہوں کہ وہ خدا کا کلام ہے وہ دوسرے افراد سے کس طرح اپنے الہامی ہونے کے سامنے سر تسلیم خم کرا سکتی ہے؟! اور پھر جبکہ خود وید مقدس بھی اپنی ہستی کو پہچنوانے میں انہی لوگوں کا ہم خیال ہے جو اُس کے ربّانی ہونے کا انکار رکھتے ہیں۔ چنانچہ اُس میں صاف طور پر موجود ہے کہ" ویدنئے پرانے رشیوں کے گیت ہیں" (رگوید ۱۔۱۔۲)

تیسرا پردہ کاش وہ افراد جن کی طرف اِن ویدوں کی تصنیف کی نسبت دی جاسکتی ہے اُن کے نفسانی اوصاف اور

اخلاقی کمالات ہی پر ایسی مسلمہ شہادتیں موجود ہوتیں جو اُن کے کلمات کے سر اور آنکھوں پر رکھنے کی سند ہو سکتیں لیکن افسوس ہے کہ اِن ویدوں کے مصنفین کا ذاتی تقدس و اعتبار بھی کوئی مسلّمہ حیثیت نہیں رکھتا بلکہ مہابھارت کا اتھاس" صـ ۱۱۸ میں تو یہاں تک ہے کہ تینوں ویدوں کے بنانے والے ٹھگ چور اور شیطانی خصلت راکشس تھے۔"

چوتھا پردہ وید کی حیثیت جو ابتدا میں تھی وہ ایک ہی صورت پر محفوظ بھی نہیں رہی بلکہ اُس میں حسب دل خواہ تصرفات ہوتے رہے جن کی بنا پر یا تو وہ کتابیں بالکل بدل گئیں اور یا اُن میں جابجا حسب دل خواہ اضافے ہو گئے۔

چنانچہ مہابھارت کا دھارمک اتھاس صـ ۱۲۱ میں ہے "جینیوں کی کتابوں میں اس امر کا ثبوت پایا گیا ہے کہ اصل وید اور ہی تھے (بعد کو لوگوں نے نئے نئے وید بنا کر اُن میں بہت سی حیوانی قربانیوں کا ذکر کر کے ان کی خوب اشاعت کی۔"

صـ ۱۳ آتمارام جینی کا بھی قول ہے کہ پُرانے چار وید جین دھرم کو تسلیم تھے مگر جب سے برہمنوں نے ان میں ملاوٹ کر دی تب سے وہ غیر معتبر کر دیئے گئے۔

صـ ۳ "ویدک دھرم کی پہلی تواریخی حالت کی نسبت رگ وید ہی سب سے زیادہ مستند ہو سکتا ہے۔"

صـ ۳۵ ساتھ ایک بات اور بھی ہے تمام رگ وید سے ایک ہی وقت کا دھرم

بھی ظاہر نہیں ہوتا بلکہ نسبتہً اُس کا بھی کوئی حصّہ نیا اور پُرانا ہے۔

پانچواں پرکھ

وید کے تعلیمات کسی محدود زمانہ کے لیے نہیں بلکہ غیر محدود تھے اس کی بھی کوئی ضمانت نہیں ہے جبکہ ہندوؤں کی کتابوں میں یہاں تک موجود ہے کہ "اس وقت وید بلا زہر کے سانپ کے مانند بے اثر ہے۔ اِس وقت وید منتر بلا جان کے جانوروں کی طرح مُردہ ہیں۔ منتر دیوار پر کشیدہ پتلیوں کے مانند ہیں جیسے اُن پتلیوں کی تصویروں میں بظاہر تمام حواس نظر آتے ہیں مگر حقیقت میں بالکل بے حس و حرکت ہوتے ہیں اُسی طرح اس زمانہ میں وید منتر بھی بظاہر تو فائدہ مند معلوم ہوتے ہیں مگر اثر کے لحاظ سے قطعی بے سُود ہیں۔ جیسے بانجھ عورتوں سے صحبت کرنے میں کچھ فائدہ نہیں ہوتا اِسی طرح فی زمانا وید منتروں سے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔"

(شاستری پری ہچئے نمبر ۸ صـ ۲۷ بحوالہ مہا نروان تمنتر)

(مذکورہ بالا مضامین کی اصل عبارتوں کے لیے ملاحظہ ہو پنڈت سیتہ دیو جی کی کتاب "وید کیا چیز ہے" مطبوعہ جون پور ۱۹۲۶ء)

کیا اتنی کمزوریاں جس کتاب میں پائی جاتی ہوں یعنی جس کی اصل معلوم نہ ہو کہ وہ کس پر نازل ہوئی ؟ وہ الہامی ہے بھی یا انسانوں کی بنائی ہوئی ہے ؟ اُس کے بنانے والے پاکباز اور پاک طینت افراد تھے یا بقول بعض ٹھگ چور وغیرہ ؟ اور پھر اُس کا سابقہ حیثیت پر باقی رہنا بھی مشکوک ہو جس کی بنا پر اُس کے کسی جزو پر یقینی طور سے حکم نہ لگایا جاسکتا ہو کہ وہ

خدا کا کلام ہے اور ان تمام جہتوں سے معتبر مان لینے کے بعد اُس کے موجودہ زمانہ میں قابل عمل ہونے پر بھی کوئی دلیل نہ ہو وہ کسی منظم با اصول مذہب کے لیے قابل عمل اور اقوام عالم کے سامنے پیش کرنے کے قابل ہو سکتی ہے ؟

قرآن کریم کے امتیازی خصوصیات

مذکورہ بالا کتب کے مقابلہ میں جب ہم اسلامی کتاب "قرآن کریم" پر نظر ڈالتے ہیں تو وہ ان تمام کمزوریوں سے بلند نظر آتی ہے جن کے باعث سے توریت یا انجیل یا وید کے اعتبار کو صدمہ پہونچا ہے بلکہ اُس کی تاریخ ایسے خصوصیات پر مشتمل ہے جو اُس کے استناد اور اعتبار کے ضامن ہیں

پہلی خصوصیت اُمت اسلامیہ کہ جو قرآن مجید کی امانت دار اور اُس کی حفاظت و نگہداشت کی براہ راست ضامن سمجھی جا سکتی ہے وہ حقیقی معنی میں باختلاف زمانہ اُس کے صحیح تعلیمات سے کتنی دُور ہو گئی ہو اور اُس کی بنا پر اہل معنی اُس پر ارتداد کا حکم لگا دیں لیکن ایسا کوئی وقت نہیں آیا کہ اُس نے ظاہر بظاہر قرآن کا دامن اپنے ہاتھ سے چھوڑا ہو اور اسلام کے اصول اساسی کو چھوڑ کر کفر و شرک اختیار کیا ہو بلکہ جس وقت سے مسلمانوں نے دنیا کے وجود میں قدم رکھا اُن کی تعداد زیادہ سے زیادہ ہوتی رہی اور وہ برابر اسلام کو اپنا نشان قومیت اور قرآن کو اپنا طرۂ دستار بنائے رہے۔

ساڑھے تیرہ سو برس میں تاریخ کسی ایسے وقت کا پتہ نہیں دے سکتی جس میں مسلمانوں نے قرآن مجید سے رُوگردانی اور اسلام سے کنارہ کشی کی ہو۔

دوسری خصوصیت قرآن مجید کے متعلق ابتدا ہی سے کوئی پابندی عائد نہیں کی گئی کہ اس کا نسخہ کسی خاص شخص یا جماعت کے پاس محدود رہے بلکہ عام طور پر مسلمانوں کو یہ حق حاصل رہا کیا کہ وہ اُسے لکھیں نقل کریں اور ازبر یاد کریں۔

رسالت مآبؐ کی حیات میں آیتیں جو متفرق طور پر نازل ہوتی رہتی تھیں وہ فوراً اصحابہ کے گوش گذار کر دی جاتی تھیں اور برابر مختلف صحابہ اُن آیتوں کو جو اُن تک پہونچتی تھیں اپنے پاس لکھتے رہتے تھے اور اس طرح اگرچہ قرآن مجید ایک کتاب کی صورت میں جمع نہ ہوا ہو لیکن کافی ذخیرہ اُس کا کثیر التعداد اشخاص کے پاس مکتوبی صورت میں یا سینوں کے اندر محفوظ تھا۔

عوض اس کے کہ کوئی پابندی عائد ہوتی برابر جناب رسالت مآبؐ کی جانب سے قرآن مجید کی زیادہ سے زیادہ مقدار کو حفظ کرنے کی ہدایت ہوتی تھی۔ اطراف و جوانب میں قرآن کی تعلیم کے لیے لوگ روانہ کیے جاتے تھے اور قرآن کا زیادہ مقدار میں علم رکھنے والے کے لیے مخصوص امتیازات مقرر تھے۔ اور جتنا اسلام کا دائرہ وسیع ہوتا گیا اُتنا قرآن مجید کے نسخ میں اضافہ ہوا اور دُور دُور کے شہروں تک قرآن کے نسخے نقل کر کے بھیجے گئے۔ یہاں تک کہ بوقت واحد ہزارہا نسخے اُس کے طول و عرض دنیا میں

منتشر نظر آنے لگے۔ اس طرح اُن توہمات کا بالکل قلع قمع ہوگیا جو توریت وانجیل میں یہود ونصاریٰ کی سیکڑوں برس تک پردہ داری نے پیدا کردیئے تھے۔

تیسری خصوصیت

قرآن مجید اپنی اصلی زبان (عربی) میں موجود ہے اور صرف موجود نہیں بلکہ ہر مسلمان قرآن صرف اسی کو سمجھتا ہے جو مخصوص الفاظ پر مشتمل ہے۔ اُس کے شرعی احکام بھی اُسی قرآن سے تعلق رکھتے ہیں۔ نماز میں اُس کا پڑھنا لازم اور دیگر مواقع پر اُسی کی تلاوت اجر و ثواب کی باعث قرار دی گئی ہے رہ گئے تراجم وہ صرف ناواقف افراد کے لیے معانی سمجھنے کا ذریعہ ہیں، قرآنی احکام سے اُن کو کوئی تعلق نہیں۔ برخلاف توراۃ وانجیل کے کہ انجیل متی کا تو اصلی زبان والا نسخہ ہی دنیا میں موجود نہیں ہے۔ اور دوسرے اناجیل وکتب عہدین اگرچہ اصلی زبانوں میں موجود ہیں لیکن خود اُن کے ماننے والے اُن کے الفاظ کو کوئی اہمیت نہیں دیتے اس لیے ہر سال ہزاروں زبانوں میں اُن کے ترجمے شائع ہوتے ہیں اور عیسائی مبلّغین ہر عیسائی جماعت میں داخل ہونے والے کو اُسی زبان کی انجیل و توراۃ دیتے ہیں جس کا وہ جاننے والا ہے لیکن عبرانی نسخہ توریت وانجیل کا اُس کی عام طور پر مسیحی افراد پڑھنا تو درکنار صورت تک نہیں دیکھتے۔

چوتھی خصوصیت

قرآن مجید کے آیات کو متفرق طور پر خود رسالت مآبؐ بوقت ورود ہی قلمبند کرالیا کرتے تھے اور پھر اُن

متفرق آیات کو بعد حضرت کی وفات کے جمع کیا ایسے افراد نے جو حضرت کے صحابہ میں داخل اور حضرت سے براہ راست آیات قرآن کی سماعت کرنے والے تھے اور اس طرح وہ کمزوری جو اناجیل میں اس طرح پیدا ہو گئی کہ اُس کے لکھنے والوں میں سے بیشتر افراد نے عیسیٰ کی صورت بھی نہ دیکھی تھی قرآن کریم میں پائی نہیں جاتی۔

پانچویں خصوصیت قرآن مجید کی ابتدا ر انتہا۔ اُس کا اسلوب و طریقۂ بیان سب اُس کے کلام الٰہی اور منزل من اللہ ہونے کا منادی ہے۔ وہ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تاریخ زندگی نہیں ہے جس میں اُن کی ولادت سے لے کر وفات تک کے تفصیلی حالات کا تذکرہ ہو اور نہ اُس میں ایسے واقعات کا تذکرہ ہے جو رسولؐ کی وفات یا اُس کے بعد سے تعلق رکھتے ہوں جن کی بنا پر اُس کے رسولؐ پر نازل ہونے میں شبہہ کیا جائے اور نہ اُس میں غیر خدا کسی کی زبان سے اس قسم کے فقرات ہیں کہ اس کو میں نے مستند راویوں کے کلام سے اخذ کر کے لکھا ہے اور یہ وہ واقعات ہیں جنھیں کسی صحابی نے چشم دید مشاہدہ کی بنار پر نقل کیا ہے جس کا نمونہ ہم عیسائیوں کے اناجیل میں دکھلا چکے ہیں بلکہ اُس میں ہر ہر جملہ اس خصوصیت کا خزینہ دار ہے کہ وہ خدا کی جانب سے نازل شدہ کلام ہے اُس نے انا انزلناہ فی لیلۃ القدر - انا نحن نزلنا الذکر - وغیرہ آیات میں اُس کی تنزیل من اللہ کا صراحت کے ساتھ اعلان کیا اسی طرح اُس میں ہر موقع پر ماضی و حال کے واقعات میں توازن کو ملحوظ

رکھ کر اپنے زمانۂ نزول کی تعیین میں واہمہ پردازیوں کا سدِّ باب کر دیا
اُس نے رسولؐ کی وفات کا بھی تذکرہ کیا ہے تو اس طرح کہ افائن مات
او قتل انقلبتم علیٰ اعقابکم جس سے صاف ظاہر ہے کہ وہ رسولؐ
کی زندگی کا کلام ہے نہ یہ کہ وہ انجیل کی طرح رسولؐ کی وفات کے گذشتہ
واقعہ ہونے کی بنا پر اُس پر نوحہ سرائی کے لیے بیٹھ جاتا جو اُس کے
رسولؐ کے بعد نوزائیدہ ہونے پر قطعی دلیل ہوتی۔

چھٹی خصوصیت قرآن مجید کی اصلیت و حقیقت کے متعلق مسلمانوں کے اندر باوجود آپس کے ہزارہا گونا گوں اختلافات کے کوئی اختلاف نہیں ہے بلکہ وہ متفقہ حیثیت سے اس نقطہ پر مجتمع ہیں کہ قرآن مجید خداوند عالم کا نازل کردہ رسول عربی محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل شدہ ہے اور یہ کہ اُس میں کسی انسان کی ساخت و پرداخت کو کوئی دخل نہیں ہے اس طرح وید میں اُس کے ماننے والوں کے ایک نقطہ پر مجتمع نہ ہونے کی حیثیت سے جو کمزوری پائی جاتی ہے اُس سے قرآن مجید پاک و منزّہ ہے۔

ساتویں خصوصیت قرآن مجید کے متعلق اُس کے ماننے والے اس امر پر متفق ہیں کہ وہ دنیا کے آخری نقطہ تک کے لیے رہنما بنا کر بھیجا گیا ہے اور یہ کہ وہ کسی خاص زمانہ کے متعلق نہیں ہے۔ اُس کے تعلیمات دنیا میں بقا و دوام کے مالک ہیں اور

اُس کے ہدایات زمانہ کے ہر جزو کے لیے مساوی طور پر فائدہ مند ہیں اور اس طرح وہ ہر زمانہ میں خود بھی اپنی طرف دعوت دیتا ہے اور اُس کے معتقدین کے لیے بھی عالم بھر کو اُس کی طرف دعوت دینے کا حق ہے۔

آٹھویں خصوصیت یہ قرآن جب سے عالم وجود میں آیا، اُس کے ہر ہر لفظ اور ہر ہر جملہ کی جانچ پرتال ہوتی رہی اور ذمہ دار افراد کی توجہ اُس کی کتابت وحفظ کے سلسلہ میں اصلی الفاظ کی نگہداشت اور معمولی سے معمولی خصوصیت حتّیٰ اعراب وطریق ادار وغیرہ کے متعلق ذرہ بینی پر منعطف رہی اور اس طرح قرآن مجید میں کسی غیر معلوم تصرف یا تحریف کا امکان باقی نہیں رہا جو اُس کے سند واعتبار کو صدمہ پہونچانے کا باعث ہو۔

قرآن کریم آپ اپنا معیار ہے

ارباب قلم کی علمی وادبی شاہکار ہیں جو کسی پہلو سے امتیاز کا درجہ حاصل کرلیتی ہیں۔ اُن میں قلم کا رنگ ڈھنگ اہل نظر کی نظر کو ایک خاص پیمانہ کا عادی بنا کر اُن کی قوت ادراک کو امتیاز کا جوہر دے دیا کرتا ہے جس کی بنا پر ایک نادیدہ عبارت بھی اُن کے سامنے پیش ہو تو وہ فیصلہ کر دیتے ہیں کہ یہ اُس کتاب یا مضمون کا جزو ہے یا نہیں چہ جائیکہ قرآن مجید جو اپنے مخصوص طرز ادا اور اسلوب بیان میں اُس امتیاز کو لے کر دنیا کے سامنے آیا تھا جس نے عالم انسانیت کے ہر جزو وکل کو اپنے معارضہ کی دعوت دے کر اُن سے عجز کا اعتراف کرا لیا اور جس کے سامنے تمام قوائے عمل اور انسانی ذرائع واسباب نے اپنی

شکست کا اقرار کر کے اُس کی کامل فتحیابی کی تصدیق کر دی۔ اُس نے زیادہ سے زیادہ مطالبہ میں پوری کتاب اور کم سے کم میں اپنے مختصر ترین سورہ کو پیش کر کے دعوائے یکتائی کیا اور زمین و آسمان کی درمیانی فضا نے صدیاں گذرنے کے بعد بھی ساکن رہ کر اپنے خاموش نغموں سے اُس کے دعوے کی گواہی دی۔ اُس کا مخصوص طرز بیان و طریقہ ادا صرف آیات کے فصل و وصل اور اُن کے اختتامی فواصل میں مضمر نہیں ہے جس کا تتبع ایک انشار نگار کے لیے دشوار نہ ہو ورنہ علی محمد باب کی کتاب البیان اور مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کی حمامۃ البشریٰ و خطبہ عیدالاضحیٰ میں اس کی نقالی موجود ہے بلکہ وہ اُس کے الفاظ کی نشست اور جملوں کے جوڑ پیوند اور عبارات کی ساخت و پرداخت اور الفاظ و معانی کے مخصوص توازن و تناسب میں اُس حیرت انگیز پیرایہ کا نام ہے جس نے غیروں کو جادو اور اپنوں کو معجزہ کہنے پر مجبور کیا۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ جب فصیح سے فصیح عبارت میں قرآنِ مجید کا ایک جملہ آ جاتا ہے تو وہ اس طرح نمایاں ہوتا ہے جیسے سنگریزوں میں موتی اور نہیں تو ستاروں میں ماہتاب اور اس بنا پر کسی ایک جزو کلام کے متعلق جس میں جزو قرآن ہونے کا شبہ ہو یہ سمجھ لینا بہت آسان ہے کہ حقیقۃً وہ قرآن کا جزو ہے یا نہیں۔ اسی بنا پر ہم کہتے ہیں کہ قرآن خود آپ اپنا معیار ہے۔

اگر درایت کوئی چیز ہے اور روایت کا درایت پر انطباق عقلی بنیاد پر ضرور ہے تو کسی راوی کا قول کہ فلاں سورہ یا آیت قرآن کا جزو تھا اُس وقت تک قابلِ اعتماد نہیں جب تک وہ خود اپنے جزو قرآن ہونے کی گواہی نہ دے رہا ہو اور اس طرح خواہ اہلِ سنت کا روایتی سورہ حفد و خلع ہو یا بعض شیعوں کا سورۂ

دلالت کسی صورت پر جزو قرآن تسلیم نہیں کیا جا سکتا اس لیے کہ جب اُس کو مسلّمہ آیات قرآن کے پہلو میں رکھ کر دیکھتے ہیں تو وہی نسبت معلوم ہوتی ہے جو سنگریزوں کو گوہر شاہوار سے۔

اور اس طرح اکثر اُن فقروں کی بھی حقیقت کھل جاتی ہے جن کے متعلق رطب و یابس جمع کرنے والے محدثین نے جزو قرآن ہونے کے روایات نقل کر دیئے ہیں۔

یہ نویں خصوصیت ہے قرآن مجید کی جو اس کے علاوہ دوسری آسمانی کتابوں میں نہیں پائی جاتی کیونکہ اُن کتابوں میں کوئی قدر متیقّن یعنی تعیین کے ساتھ یقینی جزو موجود ہی نہیں ہے جس کو ہم شک وشبہ کی صورت کا معیار قرار دیں برخلاف قرآن مجید کے کہ وہ یقینی حیثیت سے اتنا کہ جو مسلمانوں کے ہاتھوں میں موجود ہے باتفاق کل اور روایت و درایت دونوں کے اعتبار سے خدا کا کلام ہے اور وہی مشکوک و مشتبہ صورتوں کے لیے معیار بننے کی صلاحیت رکھتا ہے پھر دوسری کتابوں میں لفظ و معنی اور انداز بیان کے اعتبار سے کوئی ایسی خصوصیت بھی مضمر نہیں ہے جو کسی دوسرے کلام کو اُس سے لگاؤ نہ رکھنے دے لیکن قرآن مجید وہ اپنے ذاتی خصوصیات کی بنا پر خود اپنا معیار بننے کے قابل ہے اور اس طرح وہ خود بے اصل توہمات کا سد باب اور بے بات کی بات بنانے والوں کی زبان بندی کے لیے کافی و وافی ہے۔

سندحجیت یا میزان اعتبار

زمانہ کے اجزا اور اپنے حوادث سمیت گذرنے والے ہیں اور اُس میں پیدا

ہونے والی مخلوق سلسلہ تدریج کی پابند ہے اور اس لیے آخر میں پیدا ہونے والی نسلیں ولیین اسلاف کے برکات سے اُس وقت تک بہرہ مند نہیں ہو سکتیں جب تک وسطی حلقے امانت داری کے ساتھ اُن کے پس ندانہ جواہر کو خود محفوظ رکھ کر اُن کے سپرد نہ کریں۔ یونہی آخر کی کڑی اوّل سے اور مستقبل کا سلسلہ ہزاروں برس قبل کے ماضی بعید سے متصل ہو جاتا ہے۔ گذشتہ مصنفین کے علمی و ادبی جواہر پارے یونہی مسلم حیثیت سے موجود پائے جاتے ہیں کہ مستند رواۃ اور معتمد ناقلین نے دست بدست اُن کی نگہداری کر کے امانت کے فرض کو انجام دیا ہے اور باخبر افراد نے اُن کے انتساب کی مسلمہ طور پر تصدیق کر کے اُس میں شک و شبہہ کی گنجائش باقی نہیں رکھی ہے۔

یہی تواتر جو کثیر التعداد راویوں کے متفقہ بیانات سے یقینی طور پر ثبوت بہم پہونچنے کا نام ہے کسی کتاب کے یقینی حیثیت سے صحت و اعتبار کا ضامن ہے لیکن اس کے بعد بھی وہ کتاب اُس وقت مشکوک ہو جائے گی جب مسلمہ شہادات سے اُس کا محرف ہونا ثابت ہو جائے گا اس طرح کہ اُس کے ہر ہر جزو میں احتمال زیادتی و کمی کا پیدا ہو یعنی اجمالی طریقہ سے اس امر کا علم ہو کہ اُس میں کچھ زیادتی ہوئی ہے یا ایسی کمی جس نے اُس کے مطلوبہ اغراض و مقاصد پر اثر ڈال کر اُس کو ناقص بنا دیا ہے۔

اس صورت میں اُس کا ہر جزو شک و شبہہ کا مرکز بن جائے گا اور کسی جزو پر بھی اُس کے یقینی طور پر حکم نہ لگایا جا سکے گا کہ وہ اصل کتاب کا جزو ہے لہٰذا مجموعہ کتاب کے ساتھ اُس کے ہر جزو پر بھی اعتماد پیدا ہونے کے لیے دو باتوں میں سے کسی ایک بات

کی ضرورت ہے۔

(۱) مستند وجوہ کی بنا پر اُس کے کسی جزو میں بھی زیادتی وکمی کے شبہ کا سدباب ہوگیا ہو اور اُس میں کسی ایک کلمہ کے بھی زیادہ وکم ہونے کا ثبوت نہ ہو۔

(۲) اگر اس امر کا یقین ہو کہ اس میں کہیں زیادتی یا کمی ہوئی ہے تو مستند وجوہ کی بنا پر اُس زیادتی وکمی کے مقامات اور اُن کی نوعیت کا علم ہوگیا ہو اور بقیہ حصہ کے متعلق کوئی ضمانت ہو جو اُس کے حجیت واعتبار کی قطعی طور پر دستاویز سمجھی جا سکے۔

اسی طرح اس کتاب پر اعتقاد رکھنا حق بجانب اور اُس پر عمل کرنا اور پابند ہونا صحیح وجائز ہوگا۔ ایمان بالقرآن کے اگر صرف یہ معنی ہوں کہ حقیقی کتاب جو رسولؐ نے قرآن کریم کے نام سے پیش کی تھی وہ یقیناً خدا کا کلام اور سچا معجزہ ہے تو اُس کے لیے موجودہ اجزاءِ قرآن میں کسی بحث وتحقیق کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ ایسا ایمان مسلمانوں کو توریت وانجیل اور دیگر کتب سابقہ پر بھی لازم ہے باوجودیکہ ان کا وجود دنیا میں باقی نہیں اور جو موجود ہیں وہ حقیقی توریت یا انجیل کہنے کے قابل نہیں ہیں لیکن اگر ایمان بالقرآن کے معنی یہ ہیں کہ موجودہ اجزاءِ قرآن پر جو بین الدفتین موجود ہیں اعتقاد رکھ کر اُس کے کلام خدا اور اُس کے ہر جزو کے مستند اور واجب العمل ہونے کا یقین رکھیں اور یہ ایک مخصوص امتیاز ہو جو تمام کتب سابقہ کے مقابلہ میں قرآن مجید کو حاصل ہے تو اس ایمان بالقرآن کے لیے ضرورت اس بات کی ہے کہ اُس میں تحریف وتبدیل کے احتمال کا سدباب ہو جائے یا اُن موارد کی تعیین ہو جن میں نقص وزیادتی کا شبہ ہے اور بقیہ حصہ کے متعلق

ایسے وجوہ ہوں جو اُس کے اعتبار و استناد کی قطعی دلیل سمجھے جا سکتے ہیں۔

قرآن کریم کی نسبت فریقین کا زاویۂ نگاہ تحریف قرآن کے روایات اور اُن کی سند و اعتبار کے معیار سے جانچ۔ ایمان بالقرآن کی اصلیت۔ اور طرفین کے مذہبی اصول کا موازنہ

مذکورۂ بالا اصول اور میزان اعتبار کی بنا پر جب ہم عام اسلامی جماعت کے اُن محدثین و مؤرخین کے بیانات پر نظر ڈالتے ہیں کہ جو اپنے کو ایمان بالقرآن کا واحد ٹھیکہ دار بتا کر دوسروں پر ایمان بالقرآن نہ رکھنے کا الزام عائد کرتے ہیں تو اُن بیانات میں ایسی کمزوریاں نظر آتی ہیں جن سے قرآن مجید کے تواتر اور اُس کے صحت و اعتبار میں طرح طرح کے شبہوں کا پیدا ہو جانا ناگزیر ہے۔ اور اگر انھیں صرف اُنہی محدثین و رواۃ کے زاویۂ نگاہ سے دیکھا جائے تو کسی صورت سے ایمان بالقرآن کا دعویٰ حق بجانب معلوم نہیں ہوتا

جمع قرآن کی کیفیت اس سلسلہ میں حسب ذیل واقعات اُس جماعت کے معتمد کتب احادیث و سیر میں درج پائے جاتے ہیں:۔

(۱) قرآن مجید جناب رسالتمآبؐ کے زمانہ میں اگرچہ متفرق طور پر قلمبند ہو چکا

maablib.org

تھا۔ لیکن کتاب کی صورت میں اُس کی جمع و تدوین نہ ہوئی تھی۔ جس کی تصریح ائمہ فن کے حسب ذیل بیانات میں صاف طور پر پائی جاتی ہے۔

قال دیر عاقولی فی فوائدہ حدثنا ابراھیم بن بشار حدثنا سفیان بن عیینۃ عن الزھری عن عبید عن زید بن ثابت قال قبض النبی صلی اللہ علیہ وسلم ولم یکن القرآن جمع فی شیٔ

"دیر عاقولی نے اپنی سلسلہ وار سند سے خود زید بن ثابت جامع قرآن کی زبانی نقل کیا ہے کہ جناب رسالت مآبؐ نے انتقال کیا ایسی حالت میں کہ قرآن یکجا صورت سے جمع نہیں ہوا تھا (اتقان سیوطیؒ ج ۱ ص ۵۸)

اور خود حافظ سیوطی نے مسلم کی ایک حدیث کی توجیہ کرتے ہوئے اس کا مسلّمہ حیثیت سے اعتراف کیا ہے اور لکھا ہے۔

قد کان القرآن کتب کلہ فی عھد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لکن کان غیر مجموع فی موضع واحد ولا مرتب السور"

قرآن عہد حضرت رسولؐ میں پورا مرتب ہو چکا تھا لیکن وہ ایک جگہ پر جمع نہ تھا اور نہ اُس کے سورے مرتب تھے (اتقان ص ۵۹)

خطابی نے اس مسلّمہ حقیقت کی اپنے مذاق پر توجیہ بھی کی ہے جس کو علامہ سیوطی حسب ذیل الفاظ میں نقل کرتے ہیں قال الخطابی انما لم یجمع القرآن صلی اللہ علیہ وسلم فی المصحف لما کان یترقبہ من ورود ناسخ بعض احکامہ او تلاوتہ" حضرت نے قرآن مجید اس لئے مصحف میں جمع نہیں کیا تھا کہ آپ کو خیال تھا شاید کوئی حکم یا آیت اُس کی منسوخ ہو جائے (ص ۵۸)

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی بھی ازالۃ الخفا میں تحریر فرماتے ہیں۔

"آن تا آخر زمان آنحضرت مجموع در مصاحف نبود"

اور شاہ عبدالحق محدث دہلوی تفسیر حقانی کے مقدمہ میں رقمطراز ہیں۔

"آنحضرت نے اپنی حیات میں تمام قرآن لکھوا کر ایک جلد میں جمع نہیں کیا ہے" (ص ۹۳)

(۲) حضرت رسولؐ کی وفات کے بعد فوراً ہی عام طور پر صحابہ کرام نے جمع قرآن کی ضرورت محسوس نہیں بلکہ اُن اشخاص پر اعتماد رہا جو متفرق طور سے اپنے سینوں کے اندر قرآن کے آیات اور سوروں کو محفوظ کیے ہوئے تھے اس کے بعد جب فتنۂ ارتداد نے زور پکڑا اور لڑائیوں کا سلسلہ شروع ہوا اور یمامہ کی جنگ میں کثیر جماعت حفاظ میں سے قتل ہوگئی اُس وقت حضرت عمر کو قرآن مجید کے جمع و تالیف کی ضرورت محسوس ہوئی جس کے لیے زید بن ثابت کو منتخب کیا گیا اور اس کا تذکرہ صحیح بخاری "باب جمع القرآن" میں حسب ذیل صورت سے موجود ہے۔

ان زید بن ثابت قال ارسل الی ابو بکر مقتل اھل الیمامۃ فاذا عمر بن الخطاب عندہ فقال ابو بکر ان عمر اتانی فقال ان القتل قد استحر یوم الیمامۃ بقرآء القرآن وانی اخشیٰ ان یستحر القتل بالقرّاء بالمواطن فیذھب کثیر من القرآن وانی اریٰ ان تأمر بجمع القرآن قلت لعمر کیف تفعل شیئا لم یفعلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال عمر ھذا واللہ خیر فلم یزل عمر یراجعنی حتی شرح اللہ صدری لذالک ورأیت فی ذالک الذی رأی عمر قال زید قال ابو بکر انک رجل شاب عاقل لا نتّھمک

وقد كنت تكتب الوحي لرسول الله صلى الله عليه وسلم فتتبع القرآن فاجمعه فوالله لو كلفوني نقل جبل من الجبال ما كان اثقل علىّ مما امرني به من جمع القرآن قلت كيف تفعلون شيئاً لم يفعله رسول الله صلى الله عليه وسلم قال هو والله خير فلم يزل ابو بكر يراجعني حتى شرح الله صدري للذي شرح له صدر ابي بكر وعمر فتتبعت القرآن اجمعه من العسب واللخاف وصدور الرجال حتى وجدت آخر سورة التوبة مع ابي خزيمة الانصاري لم اجدها مع احد غيره لقد جاءكم رسول من انفسكم عزيز عليه ما عنتم حريص عليكم حتى خاتمة البراءة فكانت الصحف عند ابي بكر حتى توفاه الله ثم عند عمر حياته ثم عند حفصة بنت عمر۔

زید بن ثابت کا بیان ہے کہ مجھے ابوبکر نے اہل یمامہ کے قتل ہونے کے بعد بلوا بھیجا، وہاں عمر بن الخطاب بھی موجود تھے حضرت ابوبکر نے کہا کہ ابھی عمر میرے پاس آئے اور انھوں نے کہا کہ یمامہ کی جنگ میں حفاظ قرآن کا سخت قتل ہوگیا ہے اور مجھے خوف ہے کہ یوں ہی دو تین لڑائیوں میں اگر حفاظ قرآن مارے گئے تو قرآن مجید کا کثیر حصہ ہاتھ سے جاتا رہے گا۔

لہٰذا میری رائے یہ ہے کہ آپ قرآن مجید کے یکجا جمع کیے جانے کا حکم دیجئے۔ میں نے یہ سن کر ان سے کہا کہ بھلا ایسی بات کیونکر کر سکتے ہو جس کو رسالت مآب نے نہیں کیا تھا؟ عمر نے کہا کہ یہ بات تو خدا کی قسم اچھی ہی اچھی ہے اس کے بعد سے برابر عمر مجھ سے اس امر میں تبادلۂ خیالات کرتے رہے یہاں تک

کہ خدا نے میرے دل کو اس امر کے لیے کشادہ کر دیا اور میری بھی رائے اُن کی رائے کے موافق ہو گئی۔

(پھر زید بن ثابت کو مخاطب کر کے) تم نوعمر جوان سال اور عقلمند آدمی ہو اور تم پر ہمیں اعتماد ہے اور تم حضرت رسولؐ کے لیے وحی کے کاتب بھی رہ چکے تھے لہٰذا تم قرآن مجید کے مختلف مقامات سے تتبع کر کے جمع آوری کے کام کو انجام دو۔

(زید کا بیان ہے) یہ سننا تھا کہ میرے ہوش اڑ گئے۔ خدا کی قسم اگر مجھ سے کسی پہاڑ کو ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانے کو کہا جاتا تو وہ مجھ پر اتنا ہی گراں ہوتا جتنا کہ اُس وقت یہ جمع قرآن کا حکم گراں تھا۔ میں نے کہا کہ آخر آپ لوگ ایسی بات کیونکر کریں گے جو رسالت مآبؐ نے نہیں کی تھی، حضرت ابوبکر نے کہا یہ تو مفید کام ہے اور اس میں اچھائی ہی اچھائی ہے، اس کے بعد بار بار حضرت ابوبکر مجھ کو ٹوکتے رہے یہاں تک کہ میں بھی حضرت ابوبکر و عمر کا ہم خیال ہو گیا اور میں نے قرآن مجید کو درخت کی چھالوں اور پتھر کے ٹکڑوں اور لوگوں کے سینوں سے کہ جن میں اُس کے متفرق آیات محفوظ تھے جمع کرنا شروع کیا یہاں تک کہ سورۂ توبہ کا آخری حصہ لقد جاءکم رسول من انفسکم الخ مجھ کو صرف ابو خزیمہ انصاری کے پاس موجود ملا۔ یہ جمع شدہ صحیفے حضرت ابوبکر کے پاس رکھے گئے اور اُن کے بعد حضرت عمر اور پھر حفصہ بنت عمر کی طرف منتقل ہوئے (بخاری مطبوعہ کرزن پریس دہلی ص۲۲۵)

حضرت ابوبکر کے اس فقرہ سے کہ کیف تفعل شیئاً لم یفعل رسول اللہؐ اور اسی طرح زید بن ثابت کے کہنے سے کہ کیف تفعلون شیئاً لم یفعلہ

رسول اللہؐ صاف ظاہر ہے کہ قرآن مجید رسالت مآبؐ کے زمانہ میں جمع نہ ہوا تھا اور اب اس کے مقابلہ میں حاکم کی اس روایت کا وزن باقی نہیں رہتا کہ قرآن جناب رسالت مآبؐ کے زمانہ میں جمع ہو چکا تھا اور یہ کہ زید بن ثابت کا بیان ہے کُنّا عند النّبی صلی اللہ علیہ وسلم نؤلّف القرآن من الرقاع " ہم حضرت رسولؐ کے زمانہ میں قرآن مجید کو مختلف کاغذ کے پرزوں سے جمع کرتے تھے" جبکہ امام بخاری کی روایت اس کے خلاف ہے اور پھر زید کی یہ روایت صریحی طور سے اس امر کو بتلاتی بھی نہیں کہ قرآن کے اجزاء کتاب کی صورت میں یکجا کیے جا رہے تھے۔ چنانچہ حافظ سیوطی نے اس روایت کو نقل کرنے پر امام بیہقی کی توجیہ نقل کر دی ہے کہ یشبہ ان یکون المراد بہ تالیف ما نزل من الآیات المتفرقۃ فی سورھا وجمعھا فیھا باشارۃ النّبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ قریبی احتمال یہ ہے کہ اس جمع و تالیف سے متفرق آیات کو مقررہ سوروں کے آیات کے ساتھ ملا کر یکجا کرنا مراد ہو جس کا رسالت مآبؐ نے حکم دیا تھا (اتقان ج ۱ صفحہ ۶۰)

دوسری بات جو بخاری کی حدیث سے صاف طور پر ثابت ہے وہ یہ کہ قرآن مجید کے جمع و تالیف کا کام صرف ذاتی اعتماد کی بنا پر انفرادی حیثیت سے زید بن ثابت کے سپرد کیا گیا تھا اور اس بنا پر زید بن ثابت نے جتنی بھی چھان بین کی ہو اور جس کد و کاوش سے بھی اس کو جمع کیا ہو لیکن مجموعی حیثیت سے اس کی صحت و اعتبار کا انحصار زید بن ثابت ہی کی امانت داری و ثاقت پر رہ جاتا ہے۔

اور پھر زید بن ثابت کا یہ بیان کہ "میں نے قرآن مجید کو متفرق درخت کی چھاؤں اور پتھر کے ٹکڑوں اور مختلف لوگوں کے محفوظات کا تتبع کر کے جمع کیا"۔ اس امر کی صریح دلیل ہے کہ قرآن مجید اُس وقت مجموعی حیثیت سے کسی شخص کو بھی صحابہ میں سے یاد نہ تھا ورنہ اتنی زحمت برداشت کرنے کی ضرورت نہ پڑتی۔

(۳) زید بن ثابت کا انتہائی اہتمام یہ تھا کہ وہ کسی آیت کو اُس وقت تک درج نہ کرتے تھے جب تک دو عادلوں کی گواہیاں حاصل نہ ہوتی تھیں چنانچہ علامہ سیوطی لکھتے ہیں۔ قد اخرج ابن اشتہ فی المصاحف عن لیث بن سعد قال اول من جمع القرآن ابوبکر وکتبہ زید بن ثابت وکان الناس یاتون زید بن ثابت فکان لا یکتب آیۃ الا بشاہدی عدل وان آخر سورۃ البراءۃ لم توجد الا مع خزیمۃ بن ثابت فقال اکتبوھا فان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جعل شہادتہ بشہادۃ رجلین فکتب وان عمر اتی بآیۃ الرجم فلم یکتبھا لانہ کان وحدہ

ابن اشتہ نے کتاب المصاحف میں لیث بن سعد کی زبانی نقل کیا ہے کہ سب سے پہلے جس شخص نے قرآن کو جمع کیا وہ حضرت ابوبکر ہیں اور زید بن ثابت اس کے لکھنے والے تھے۔ اور لوگ زید بن ثابت کے پاس (قرآن کی آیتوں کو لے کر) آتے تھے۔ مگر وہ کوئی آیت نہ لکھتے تھے جب تک کہ دو عادل شخص اُس کی گواہی نہ دے لیتے تھے اور سورہ برات کا آخری حصہ صرف خزیمہ بن ثابت کے

پاس دستیاب ہوا تو وہ صرف اُنہی کی گواہی پر لکھوا لیا گیا اس لیے کہ اُن کی گواہی کو جناب رسالت مآبؐ نے دو گواہیوں کے برابر قرار دیا تھا اور حضرت عمر آیہ رجم کو لے کر آئے تو اس کو درج نہیں کیا گیا اس لیے کہ وہ تنہا تھے اُن کے موافق کوئی دوسرا گواہ نہ تھا۔ (اتقان ج ۱ ص۶۰)

اس روایت سے بے شک زید بن ثابت کی کد و کاوش کا اندازہ ہوتا ہے لیکن کیا اس صورت حال نے قرآن مجید کی عظمت میں کوئی اضافہ کیا یا اس کو محفوظ رکھا؟ کیا اُس کے آیات میں شاہدین عدلین کے گواہی کی ضرورت اُس کی مسلم شان تواتر کو صدمہ نہیں پہونچاتی؟ کیا وہ صحابہ جن کے اقوال کو کسی دوسرے کی گواہی نہ ہونے کے سبب سے رد کر دیا گیا یقیناً دروغ گو اور افترا پرداز تھے، تو پھر عدالت صحابہ کے عقیدہ کا کیا حشر ہو گا؟ اور جب وہ یقینی طور پر کاذب نہیں ہیں تو کیا اس امر کا یقین اور کم از کم شبہ نہیں پیدا ہوتا کہ اُن صحابہ کی بتلائی ہوئی آیتوں میں معتد بہ تعداد حقیقی آیات قرآن کی تھی جو اس قرآن میں درج ہونے سے رہ گئیں۔

بعض روایتوں میں زید بن ثابت کا قدم درمیان سے نکال دیا گیا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر خود بنفس نفیس جمع قرآن کے انتظام میں مصروف تھے چنانچہ علامہ سیوطی لکھتے ہیں اخرج ابن ابی داؤد من طریق یحیی بن عبدالرحمن بن حاطب قال قدم عمر فقال من کان تلقّٰی من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شیئاً من القرآن فلیات بہ وکانوا یکتبون ذلک فی المصحف والالواح والعسب وکان لا یقبل من احد شیئاً حتی یشھد شھیدان۔

ابن ابی داؤد کی روایت ہے کہ حضرت عمر نے صحابہ کے مجمع میں آکر اعلان کیا کہ

جس کسی شخص نے کوئی حصہ بھی قرآن کا حضرت رسولؐ سے حاصل کیا ہو وہ اس کو لا کر پیش کرے اور وہ لوگ قرآن کی آیتوں کو کاغذوں، تختیوں اور درخت کی چھالوں پر لکھا کرتے تھے اور حضرت عمر کسی شخص کے دعوے کو قبول نہ کرتے تھے جب تک دو گواہ اُس کی گواہی نہ دیتے تھے (اتقان ج ۱ ص ۵۹)

لیکن اس روایت میں یہ شبہہ پیدا ہوتا ہے کہ پھر حضرت عمر نے آیۂ رجم کو جو اُن کی نظر میں یقیناً جزو قرآن تھی کیوں درج نہ کیا اس لیے کہ ذاتی علم کے بعد عادلین کی گواہیوں کا انتظار کوئی معنی نہیں رکھتا؟ ہاں مگر یہ کہ حضرت عمر پورے طور پر اس معاملہ میں خود مختار نہ رہے ہوں بلکہ زید بن ثابت اُن کے شریک کار قرار دیئے گئے ہوں جیسا کہ تیسری روایت سے ثابت ہوتا ہے جس کو علامہ سیوطی نے حسب ذیل الفاظ میں نقل کیا ہے واخرج ابن ابی داؤد ایضا من طریق هشام بن عروة عن ابیه ان ابابکر قال لعمر ولزید اقعدا علیٰ باب المسجد فمن جاء کما بشاهدین علی شیء من کتاب الله فاکتباه

عروہ بن زبیر کی روایت ہے کہ حضرت ابوبکر نے عمر اور زید سے کہا کہ تم دونوں آدمی مسجد کے دروازہ پر بیٹھو اور قرآن مجید کی جس آیت پر گواہیاں حاصل ہو جائیں، اُس کو درج کر لو (اتقان ج ۱ ص ۵۸)

بہر حال خواہ پہلی صورت ہو یا دوسری یا تیسری یہ امر پایۂ ثبوت تک پہونچ گیا کہ آیات قرآن کے تسلیم کرنے میں شہادت عدلین کی شرط لگائی گئی تھی اور یہی امر قرآن کی جامعیت میں شبہہ پیدا کرنے کا باعث ہے۔

طرز عمل سے معلوم ہوتا ہے کہ اس امر میں پورا اہتمام تھا کہ قرآن میں کوئی ایسی چیز

درج نہ ہونے پائے جو حقیقتاً قرآن کا جزو نہیں ہے۔ لیکن یہ احراس قدر موردِ اہتمام نہ تھا کہ قرآن کی کوئی آیت رہ جانے بھی نہ پائے ورنہ کسی صحابی کے قول کو صرف اس بنار پر رد نہ کر دیا جاتا کہ اُس کے ساتھ کوئی دوسرا گواہی دینے والا نہیں۔

اب بتائیے کہ وہ تمام صحابہ جن کے قول کو انفراد کی بنار پر رد کر دیا گیا تھا اس قرآن کو ناقص سمجھتے تھے یا نہیں جبکہ وہ سمجائی کے ساتھ ایک ایسی آیت کو جزو قرآن سمجھتے ہیں جو اس قرآن میں درج نہیں۔

پھر کیا ایک ایسا مسلمان جو قرآن موجود میں زیادتی کا انکار اور اُس کے ہر ہر جزو کے کلام خدا ہونے کا اقرار رکھتے ہوئے کہیں کہیں اُس کی بعض آیتوں کے متعلق یہ رائے رکھتا ہو کہ وہ درج ہونے سے رہ گئیں کافر اور غیر مومن بالقرآن سمجھا جا سکتا ہے؟ اور کیا اس فتوائے کفر کی زد میں بہت سے صحابہ کرام نہ آجائیں گے؟

جمع قرآن کے بعد حضرت ابو بکر نے زید بن ثابت کے ہاتھوں اُس صورت سے جس کا تذکرہ ہو چکا قرآن مجید کتابی صورت میں جمع تو کرا دیا لیکن نشر و اشاعت کی ضرورت نہ سمجھی بلکہ جیسا کہ بخاری کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے وہ کتاب اُن کے پاس محفوظ رہی اور پھر حضرت عمر نے اُس کو اپنے پاس امانت رکھا اور اُن کے انتقال پر اُن کی صاحبزادی حفصہ کے قبضہ میں آیا عام مسلمانوں کے لیے وہی صورت حال جو اس کے قبل تھی باقی رکھی گئی یعنی مختلف صحابہ قرآن مجید کے متفرق حصّوں کو اپنے سینوں میں اور مکتوبی صورت میں منتشر اجزا اپنے پاس محفوظ رکھے ہوئے تھے اور وہی قرآن

مجید کی تعلیم کے ذمّہ دار اور اُس کی نگہداری وحفاظت کے ضامن وتکفل تھے اور ان میں سے بھی مخصوص صحابہ نے جو قرآن مجید کو غیر مرتب حیثیت میں مکمّل طور پر حفظ کیے ہوے تھے اپنے اپنے مذاق پر ترتیب دے کر قرآن مجید کو مرتب ومدوّن بھی کیا

امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السّلام کے علاوہ جن کے جمع قرآن پر مبسوط بحث مستقل طور پر کی جائے گی دیگر مستند ومسلم صحابہ جنھوں نے قرآن مجید کو اپنی اپنی ترتیب کے مطابق جمع کیا تھا عبداللہ بن مسعود. ابی ابن کعب اور معاذ بن جبل تھے اور ابو موسیٰ اشعری نے بھی اپنے محفوظات کی بناء پر ایک قرآن جمع کیا تھا جسے اہل بصرہ میں مقبولیت حاصل تھی اور وہ اُن کے اندر "لباب القلوب" کے نام سے مشہور تھا (اعجاز القرآن مصنفہ شیخ مصطفےٰ صادق رفاعی مطبوعہ مصر ص۳۱ و ۳۸)

اختلاف مصاحف مذکورہ بالا مصاحف میں جنھیں مختلف اشخاص نے اپنے اپنے محفوظات پر جمع کیا تھا ترتیب کی حیثیت سے اختلاف تھا جس کی تفصیلی کیفیت ابن اشتہ نے کتاب المصاحف میں اور اُنہی سے حافظ سیوطی نے اتقان میں اس طرح نقل کی ہے۔

maablib.org

	ترتیب مصحف موجودہ	ترتیب مصحف ابیؓ	ترتیب مصحف ابن مسعود
۱	حمد	حمد	بقرہ
۲	بقرہ	بقرہ	نساء
۳	آل عمران	نساء	نساء
۴	نساء	آل عمران	آل عمران
۵	مائدہ	انعام	اعراف
۶	انعام	اعراف	انعام
۷	اعراف	مائدہ	مائدہ
۸	انفال	یونس	یونس
۹	برائت	انفال	برارت
۱۰	یونس	برارت	نحل
۱۱	ہود	ہود	ہود
۱۲	یوسف	مریم	یوسف
۱۳	رعد	شعراء	کہف
۱۴	ابراہیم	حج	بنی اسرائیل
۱۵	حجر	یوسف	انبیاء
۱۶	نحل	کہف	طٰہٰ
۱۷	بنی اسرائیل	نحل	مومنون

maablib.org

۱۸	کہف	احزاب	شعراء
۱۹	مریم	بنی اسرائیل	صافات
۲۰	طٰہٰ	زمر	احزاب
۲۱	انبیاء	طٰہٰ	حج
۲۲	حج	انبیاء	قصص
۲۳	مومنون	نور	نمل
۲۴	نور	مومنون	نور
۲۵	فرقان	سبا	انفال
۲۶	شعراء	عنکبوت	مریم
۲۷	نمل	مومن	عنکبوت
۲۸	قصص	رعد	روم
۲۹	عنکبوت	قصص	یٰس
۳۰	روم	نمل	فرقان
۳۱	لقمان	صافات	حجر
۳۲	سجدہ	ص	رعد
۳۳	احزاب	یٰس	سباء
۳۴	سبا	حجر	فاطر
۳۵	فاطر	شوریٰ	ابراہیم
۳۶	یٰس	روم	ص

maablib.org

۳۷	صافات	حدید	محمد
۳۸	ص	فتح	لقمان
۳۹	زمر	محمدؐ	زمر
۴۰	مومن	تحریم	مومن
۴۱	حم سجدہ	ملک	زخرف
۴۲	شوریٰ	سجدہ	سجدہ
۴۳	زخرف	نوح	شوریٰ
۴۴	دخان	احقاف	احقاف
۴۵	جاثیہ	ق	جاثیہ
۴۶	احقاف	رحمٰن	دخان
۴۷	محمد	واقعہ	فتح
۴۸	فتح	جن	حشر
۴۹	حجرات	نجم	حم سجدہ
۵۰	ق	معارج	طلاق
۵۱	ذاریات	مزمل	قلم
۵۲	طور	مدثر	حجرات
۵۳	نجم	قمر	ملک
۵۴	قمر	حم سجدہ	تغابن
۵۵	رحمٰن	دخان	منافقون

MAAB 1431
maablib.org

٥٦	واقعہ	لقمان	جمعہ
٥٧	حدید	جاثیہ	جحف
٥٨	مجادلہ	طور	جن
٥٩	حشر	ذاریات	نوح
٦٠	ممتحنہ	قلم	مجادلہ
٦١	صف	حاقہ	ممتحنہ
٦٢	جمعہ	حشر	تحریم
٦٣	منافقون	ممتحنہ	رحمٰن
٦٤	تغابن	مرسلات	نجم
٦٥	طلاق	نبا	طور
٦٦	تحریم	قیامہ	ذاریات
٦٧	ملک	تکویر	قمر
٦٨	قلم	طلاق	واقعہ
٦٩	حاقہ	نازعات	نازعات
٧٠	معارج	تغابنؔ	معارج
٧١	نوح	عبس	مدثر
٧٢	جن	تطفیف	مزمل
٧٣	مزمل	انشقاق	تطفیف
٧٤	مدثر	تین	عبس

ـہ اتقان کے مطبوعہ نسخہ میں یونہی ہے لیکن اس کے محتاج تصحیح ہونے میں شبہہ نہیں ہے فہرست ابن ندیم میں نازعات اور عبس کے درمیان کسی سورہ کا نام نہیں ہے ۱۲

maablib.org

۷۵	قیامه	علق	دهر
۷۶	دهر	حجرات	مرسلات
۷۷	مرسلات	منافقون	قیامه
۷۸	نبأ	جمعه	نبأ
۷۹	نازعات	تحریم	تکویر
۸۰	عبس	فجر	انفطار
۸۱	تکویر	بلد	غاشیه
۸۲	انفطار	لیل	اعلیٰ
۸۳	تطفیف	انفطار	لیل
۸۴	انشقاق	شمس	فجر
۸۵	بروج	طارق	بروج
۸۶	طارق	اعلیٰ	انشقاق
۸۷	اعلیٰ	غاشیه	علق
۸۸	غاشیه	صف	بلد
۸۹	فجر	تغابن	ضحیٰ
۹۰	بلد	بینه	طارق
۹۱	شمس	ضحیٰ	عادیات
۹۲	لیل	انشراح	ماعون
۹۳	ضحیٰ	قارعه	قارعه

۹۴	انشراح	تکاثر	بیّنہ
۹۵	تین	عصر	شمس
۹۶	علق	خلع	تین
۹۷	قدر	حفد	ہمزہ
۹۸	بیّنہ	ہمزہ	فیل
۹۹	زلزال	زلزال	قریش
۱۰۰	عادیات	عادیات	تکاثر
۱۰۱	قارعہ	فیل	قدر
۱۰۲	تکاثر	قریش	زلزال
۱۰۳	عصر	ماعون	عصر
۱۰۴	ہمزہ	کوثر	نصر
۱۰۵	فیل	قدر	کوثر
۱۰۶	قریش	کافرون	کافرون
۱۰۷	ماعون	نصر	تبّت
۱۰۸	کوثر	تبّت	اخلاص
۱۰۹	کافرون	اخلاص	انشراح
۱۱۰	نصر	فلق	۰
۱۱۱	تبّت	ناس	۰
۱۱۲	اخلاص	۰	۰

maablib.org

۱۱۳ فلق " "

۱۱۴ ناس " "

یہ فہرستیں ہم نے اتقان (ج ۱ ص ۲۶) سے نقل کیں۔ پھر علامہ سیوطی اسے بہت پہلے کی فہرست ابن الندیم ص ۳۷ سے ۴۰ تک ہیں وہ نظر آئیں جن کے مقابلہ سے پتہ چلا کہ وہ ایک ہی ہیں درمیان درمیان میں کسی ایک سورہ کی کمی بیشی یا کہیں ترتیب میں دو ایک سوروں کا الٹ پھیر ہے جو کاتبوں کی سہو کا نتیجہ ہو سکتا ہے جس سے مجموعی طور پر دونوں کے متحد ہونے میں شک نہیں پیدا ہوتا سیوطی نے اس کو فہرست ابن ندیم سے نقل نہیں کیا ہے مگر ممکن ہے دونوں کا سلسلۂ نقل آخر میں جا کے کہیں متحد ہو گیا ہو۔

مصحف حضرت علیؑ اور ترتیب نزول

مذکورہ بالا اسلوب کہ جو مختلف صحابہ کی طرف سے جمع قرآن میں اختیار کیے گئے تھے اُس صورت کے یقیناً خلاف ہیں جس پر قرآن مجید نازل کیا گیا تھا۔

اس لیے کہ بتصریح محققین سب سے پہلا سورہ جو جناب رسالت مآبؐ پر نازل ہوا ہے وہ سورۂ اقرأ تھا اور اُس کے بعد مدثر۔ چنانچہ علامہ سیوطی اتقان میں تحریر کرتے ہیں

اختلف فی اول مانزل من القرآن علی اقوال احدھا وھو الصحیح

اقرأ باسم ربك" اختلاف ہوا ہے کہ سب سے پہلے قرآن کا کون سا جزو نازل ہوا۔ پہلا قول جو حقیقتاً صحیح ہے وہ یہی ہے کہ سب سے پہلا نازل ہونے والا ٹکڑا اقرأ باسم ربک ہے۔ اور اسی کی تصدیق میں پھر انھوں نے صحیحین کی حدیث کو نقل کیا ہے

دیکھیے اتقان جلد ۱ ص ۲۴

اور واحدی نے اپنی کتاب اسباب النزول (طبع مصر) میں اول ما نزل من القرآن کے تحت لکھا ہے۔ اقرأ باسم ربک الذی خلق عن عکرمہ والحسن قالا اول ما نزل من القرآن بسم اللہ الرحمن الرحیم فھو اول ما نزل من القرآن بمکۃ واول سورۃ اقرأ باسم ربک سورۃ المدثر ثم اول ما نزل بعد سورۃ اقرأ۔

" عکرمہ اور حسن کا بیان ہے کہ سب سے پہلے جو آیت قرآن کی مکہ میں نازل ہوئی وہ بسم اللہ ہے اور سب سے پہلا سورہ اقرأ ہے اور اس کے بعد دوسرا سب سے پہلا سورہ مدثر ہے۔"

ص ۸ اول سورۃ نزلت علی رسول اللہ بمکۃ اقرأ باسم ربک و آخر سورۃ نزلت علی رسول اللہ بمکۃ المومنون ویقال العنکبوت واول سورۃ نزلت بالمدینۃ ویل للمطففین و آخر سورۃ نزلت فی المدینۃ براءۃ سب سے پہلا سورہ جو رسالت مآب پر مکہ میں نازل ہوا اقرأ ہے اور آخری سورہ جو مکہ میں اترا مومنون اور بقول بعض عنکبوت ہے اور مدینہ میں سب سے پہلا سورہ ویل للمطففین اور آخری سورہ براءت ہے۔

maablib.org

ابن ندیم نے سلسلۂ نزول کے اعتبار سے سوروں کی مکمل فہرست درج کی ہے جو اگرچہ روایتی معیار پر حجیت کا درجہ نہیں رکھتی تاکہ اُس سے اصولی یا فقہی کسی حکم میں استناد کیا جاسکے مگر شواہد و قرائن کی مطابقت کی وجہ سے تاریخی معیار پر اُس کا وزن ناقابل انکار ہے۔ یہ ترتیب اس طرح ہے

(۱) اقرأ تا آیت علم الانسان ما لم یعلم	(۲) قلم
(۳) مزمل	(۴) مدثر
(۵) لہب	(۶) تکویر
(۷) اعلیٰ	(۸) انشراح
(۹) عصر	(۱۰) فجر
(۱۱) ضحیٰ	(۱۲) لیل
(۱۳) عادیات	(۱۴) کوثر
(۱۵) تکاثر	(۱۶) ماعون
(۱۷) کافرون	(۱۸) فیل
(۱۹) توحید	(۲۰) فلق
(۲۱) ناس	(۲۲) نجم
(۲۳) عبس	(۲۴) قدر
(۲۵) شمس	(۲۶) بروج
(۲۷) تین	
(۲۹) قریش	(۲۹) قارعہ

maablib.org

(۳۰)	قیامہ	(۳۱)	ہمزہ
(۳۲)	مرسلات	(۳۳)	ق
(۳۴)	بلد	(۳۵)	رحمٰن
(۳۶)	جن	(۳۷)	یٰسٓ
(۳۸)	المص	(۳۹)	ملک
(۴۰)	فرقان	(۴۱)	ملائکہ
(۴۲)	فاطر	(۴۳)	مریم
(۴۴)	طٰہٰ	(۴۵)	واقعہ
(۴۶)	شعرار	(۴۷)	طس
(۴۸)	طسم الاخرہ	(۴۹)	بنی اسرائیل
(۵۰)	ہود	(۵۱)	یوسف
(۵۲)	یونس	(۵۳)	حجر
(۵۴)	صافات	(۵۵)	لقمان
(۵۶)	مومنون	(۵۷)	سبا
(۵۸)	انبیار	(۵۹)	زمر
(۶۰)	مؤمن	(۶۱)	حٰمٓ سجدہ
(۶۲)	حم عسق	(۶۳)	زخرف
(۶۴)	دخان	(۶۵)	حم الشریعہ
(۶۶)	احقاف	(۶۷)	ذاریات

maablib.org

۶۸)	غاشیہ	۶۹)	کہف
۷۰)	انعام	۷۱)	نحل
۷۲)	نوح	۷۳)	ابراہیم
۷۴)	سجدہ	۷۵)	طور
۷۶)	ملک	۷۷)	حاقہ
۷۸)	معارج	۷۹)	نبا
۸۰)	نازعات	۸۱)	انفطار
۸۲)	انشقاق	۸۳)	روم
۸۴)	عنکبوت	۸۵)	تطفیف
۸۶)	قمر	۸۷)	طارق
۸۸)	بقرہ	۸۹)	انفال
۹۰)	اعراف	۹۱)	آل عمران
۹۲)	ممتحنہ	۹۳)	نساء
۹۴)	زلزال	۹۵)	حدید
۹۶)	محمد	۹۷)	رعد
۹۸)	دہر	۹۹)	طلاق
۱۰۰)	بینہ	۱۰۱)	حشر
۱۰۲)	نصر	۱۰۳)	نور
۱۰۴)	حج	۱۰۵)	منافقون

MAAB 1431
maablib.org

۱۰۶) مجادلہ   ۱۰۷) ات

۱۰۸) تحریم   ۱۰۹) جمعہ

۱۱۰) تغابن   ۱۱۱) حواریین

۱۱۲) فتح   ۱۱۳) مائدہ

۱۱۴) توبہ

اب ان روایات کو سامنے رکھ کر موجودہ ترتیب قرآن پر نظر کیجئے تو آپ کو بہت زیادہ عکس نظر آئے گا۔ سب سے آخری سورہ جو مذکورہ بالا عبارت کے مطابق سورۂ برارت اور اکثر محققین کی تحقیق کی رُو سے سورۂ مائدہ ہے وہ قرآن کی پہلی تہائی میں اور اقرأ جو سب سے پہلا سورہ تھا وہ آخری پارہ میں ہے اور اسی طرح مکی سورے اکثر آخر میں اور مدنی شروع میں ہیں۔

اس سے ظاہر ہے کہ ان صحابہ کی نظر میں ترتیب نزول کی کوئی اہمیت نہ تھی جناب عائشہ ام المومنین کے قول سے بھی یہ ثابت ہوتا ہے جب ایک عراقی شخص نے آکر عرض کیا۔ اے ام المومنین مجھے اپنا مصحف دکھلائیے فرمایا "کیوں؟" کہا لعلی أولف القرآن علیہ فانہ یقرأ غیر مؤلف "شاید میں اپنے قرآن کو اسی کے موافق ترتیب دے لوں اس لیے کہ بحالت موجودہ بلا ترتیب پڑھا جاتا ہے"

حضرت عائشہ نے کہا وما یضرک ایۃ قرأت قبل انما نزل اول ما نزل منہ سورۃ من المفصل فیھا ذکر الجنۃ والنار حتی اذا ثاب الناس الی الاسلام نزل الحلال والحرام ولو نزل اول شیء لا تشربوا الخمر لقالوا لا ندع الخمر ابدا ولو نزل لا تزنوا لقالوا لا ندع الزنا ابدا

لقد نزل بمکۃ علی محمد صلی اللہ علیہ وسلم وانی لجاریۃ العب بل الساعۃ موعدھم والساعۃ ادھی وامر وما نزلت سورۃ البقرۃ والنساء الا وانا عندہ قال فاخرجت لہ المصحف فاملت علیہ السور۔

"تو اس میں حرج ہی کیا ہے، جو سورہ بھی پہلے پڑھ لیا جائے۔ سب سے پہلے مفصل سوروں میں سے ایک سورہ اُترا تھا جس میں جنت و دوزخ کا تذکرہ تھا یہاں تک کہ جب لوگ کثرت سے اسلام کی طرف آ گئے تو حلال و حرام کے احکام نازل ہوئے اور اگر پہلی ہی مرتبہ لا تشربوا الخمر نازل ہو جاتا تو لوگ کہہ دیتے کہ ہم ہرگز شراب ترک نہ کریں گے اور اگر پہلے ہی یہ حکم آتا کہ زنا نہ کرو تو لوگ کہتے کہ ہم کبھی زنا نہ چھوڑیں گے۔ مکہ میں رسالت مآبؐ پر یہ آیت نازل ہوئی کہ بل الساعۃ موعدھم والساعۃ ادھی وامر اُس وقت میں بچی تھی اور کھیلتی پھرتی تھی اور سورۂ بقرہ و نساء اُس وقت نازل ہوئے کہ جب میرا حضرتؐ کے ساتھ عقد ہو چکا تھا" اس کے بعد امّ المومنین نے اپنا مصحف نکالا اور اُس کے مطابق سوروں کی فہرست لکھوا دی (صحیح بخاری مطبوعہ کرزن پریس دہلی ص۷۴۷)

اس حدیث سے جس طرح قرآن موجود کا ترتیب نزول کے خلاف ہونا ظاہر ہے اس لیے کہ بل الساعۃ موعدھم الخ سورۂ قمر کی آیت ہے جو بحالت موجودہ ستائیسویں پارہ میں ہے اور وہ ام المومنین کے قول کے مطابق سورۂ بقرہ و نساء سے بہت پہلے نازل ہوئی تھی۔

اسی کے ساتھ یہ امر بھی نمایاں ہے کہ موصوفہ کی نظر میں قرآن کی ترتیب کسی خاص تعبد و توقیف پر مبنی نہ تھی اور نہ وہ کسی خاص ترتیب کا پابند ہے یہی ہے وہ عراقی کی کاوش کو بلاضرورت قرار دیتے ہوئے مایضرک ایۃ قرأت کہہ کر سورہ قرآن میں ترتیب کی مراعات کو ساقط کیے دے رہی ہیں۔

براء بن عازب کی روایت بھی بخاری میں موجود ہے کہ تعلمت سبح اسم ربک قبل ان یقدم النبی صلی اللہ علیہ وسلم المدینۃ "میں نے سبح اسم ربک کو اُس وقت یاد کیا ہے کہ جب رسالت مآب مدینہ میں ہجرت کر کے تشریف بھی نہ لائے تھے"

اس سے ظاہر ہے کہ سورۂ اعلیٰ ہجرت کے قبل نازل ہو چکا تھا حالانکہ وہ بحالت موجودہ قرآن کے آخری پارہ میں نظر آ رہا ہے۔

ترتیب آیات جس طرح سوروں کی ترتیب اُس ترتیب سے مختلف ہے کہ جس پر قرآن نازل ہوا تھا اُسی طرح آیات کا اگر لحاظ کیا جائے تو اُن میں بھی ترتیب نزولی کا پتہ نہیں ہے جس کے کئی ثبوت ہیں۔

(پہلا ثبوت) مکی سوروں کے بیچ میں مدنی آیتیں اور مدنی سوروں میں مکی آیتیں حالانکہ مکی و مدنی کی اصطلاح جس اصول پر قائم ہوئی ہے اُس کے مطابق ترتیب نزولی کی مراعات کے ساتھ مکی و مدنی آیتوں میں خلط و آمیزش ممکن ہی نہیں ہے۔

علامہ سیوطی تحریر فرماتے ہیں اعلم ان للناس فی المکی والمدنی اصطلاحات

ثلثة اشهرها ان المکی ما نزل قبل الهجرة والمدنی ما نزل بعدها سوآء نزل بمکة ام بالمدینة عام الفتح او عام حجة الوداع ام بسفر من الاسفار مکی و مدنی کے متعلق مختلف اصطلاحیں ہیں جن میں سب سے زیادہ مشہور یہ ہے کہ مکی وہ ہے جو قبل ہجرت نازل ہوا ہو اور مدنی وہ کہ جو بعد ہجرت خواہ مکہ میں نازل ہوا ہو یا مدینہ میں سال فتح مکہ یا حجۃ الوداع یا کسی دوسرے سفر میں (اتقان ج ۱ ص ۹)

اب عقلی حیثیت سے یہ امر تو ممکن ہے کہ کسی سورہ کی ابتدائی آیتیں مکی اور آخری آیتیں مدنی ہوں لیکن اول کے مدنی ہونے کے ساتھ آخر کا مکی ہونا یا اول و آخر مدنی کے ساتھ وسط مکی یا اول و آخر مکی ہونے کے ساتھ وسط کا مدنی ہونا ترتیب نزول کے لحاظ سے ممکن نہیں ہے لیکن اس کے ساتھ جب ہم سور قرآن اور اُن کے آیات پر ائمہ تفسیر و علمائے سیر و تواریخ کے بیانات کی روشنی میں نظر ڈالتے ہیں تو اُن میں ان تینوں طرح کے نمونوں کا ایک عالم نظر آتا ہے جس کا اندازہ مندرجۂ ذیل فہرست سے ہو سکے گا۔

(۱) **انعام** یہ سورہ مکی ہے لیکن سات آیتیں مدینہ میں نازل ہوئی ہیں جو ایک ساتھ مذکور بھی نہیں بلکہ اُن کے درمیان آیات مکیہ مخلوط ہیں۔

"الذین اٰتینٰھم الکتاب یعرفونه کما یعرفون ابناءھم الذین خسروا انفسھم فھم لا یؤمنون اس کے قبل اور بعد آیتیں مکی ہیں اور یہ خود مدنی ہے۔ پھر وما قدروا الله حق قدرہ اذ قالوا ما انزل الله علی بشر من شیء الخ

ابن ابی حاتم کی تصریح کے مطابق یہ آیت مالک بن صیف کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور وہ مدینہ کا واقعہ ہے۔ اس کے بعد ایک آیت مکی ہے اور پھر ومن اظلم ممن افتری علی اللہ کذبا او قال اوحی الیّ ولم یوح الیہ شیٔ الایۃ اور اس کے بعد والی آیت یہ دونوں مسیلمہ کذاب کے بارے میں نازل ہوئی ہیں جس کے ادعائے نبوت کا زمانہ رسالت مآب کی زندگی کے آخری دور میں تھا اور یہ بحالت موجودہ مکہ میں نازل ہونے والے سورۂ انعام کے وسطی حصہ میں مندرج ہیں۔ پھر اس کے آخر میں قل تعالوا اتل ما حرّم ربکم علیکم سے تین آیتوں تک یہ بھی مدینہ میں نازل ہوئی تھیں جس کے متعلق حافظ سیوطی کا قول ہے قد صح النّقل عن ابن عباس باستثناء قل تعالوا الآیات الثلث لیکن اس کے بعد بارہ آیتیں پھر مکہ کی نازل شدہ ہیں۔

(۲) اعراف مکی سورہ ہے مگر واسألھم عن القریۃ الّتی کانت حاضرۃ البحر دس آیتوں تک مدینہ کی نازل شدہ ہیں۔

(۳) **انفال** مدنی سورہ ہے مگر یاایھا النّبی حسبک اللہ ومن اتبعک من المومنین مکہ میں نازل ہے۔

(۴) ہود مکی ہے لیکن تین آیتیں مدنی ہیں فلعلّک تارک[۱] افمن کان علی بیّنۃ من ربّہ[۲]۔ اقم الصّلوۃ[۳] طرفی النہار۔

(۵) رعد۔ اس میں یہ آیت ولایزال الذین کفروا تصیبھم بما صنعوا قارعۃ مکی ہے اور اللہ یعلم کی آیت شدید المحال تک مدنی ہے

اور باقی میں اختلاف ہے کہ وہ مکہ میں نازل ہوا ہے یا مدینہ میں۔

(۶) ابراہیم پورا سورہ مکی ہے لیکن الم تر الی الذین بدلوا نعمۃ اللہ کفرا سے لے کر فبئس القرار تک دو آیتیں مدینہ کی نازل شدہ ہیں

(۷) حجر مکی سورہ ہے لیکن آیۂ ولقد علمنا المستقدمین منکم ولقد علمنا المستاخرین کا بہ لحاظ اُس کے شان نزول کے مدینہ میں نازل ہونا یقینی ہے۔

(۸) اسراء مکی ہے لیکن حسب ذیل آیات مدینہ کے نازل شدہ ہیں یسئلونک عن الروح وان کادو لیفتنونک۔ قل لئن اجتمعت الانس والجن وما جعلنا الرویا۔ ان الذین اوتوا العلم من قبلہ

(۹) کہف۔ ابتدا کی آٹھ آیتیں اور آخر کی چار مدنی ہیں اور درمیان میں مکی لیکن اس میں بھی واصبر نفسک الخ مدینہ کی نازل شدہ ہے۔

(۱۰) مریم مکی ہے لیکن آیۂ سجدہ اور ان منکم الا واردھا والی آیت اس کے خلاف ہے۔

(۱۱) طٰہٰ مکی سورہ ہے لیکن آیۂ فاصبر علیٰ ما یقولون الخ متفقہ طور پر اس سے خارج سمجھی گئی ہے۔ اور علامۂ سیوطی کے خیال میں ایک آیت کو اور مستثنیٰ ہونا چاہیے اور وہ یہ ہے لا تمدن عینیک الیٰ ما متعنا بہ ازواجا منھم الخ اس لیے کہ یہ اپنے شان نزول کی بنا پر مدینہ کی نازل شدہ ہے۔

(۱۲) انبیاء مکی ہے مگر صرف یہ آیت افلا یرون انا ناتی الارض الخ مدینہ میں نازل ہوئی ہے۔

(۱۳) حج مکی سورہ ہے جس میں ھذان خصمان سے لے کر تین آیتوں تک مدینہ کی نازل شدہ ہیں۔

(۱۴) مومنون حتی اذا اخذنا مترفیھا سے لے کر مبلسون تک جو چو ۰ آیتیں ہیں وہ تو مدینہ کی نازل شدہ ہیں باقی سورہ مکی ہے۔

(۱۵) فرقان والذین لا یدعون سے رحیما تک جو تین آیتیں ہیں مدنی اور باقی سورہ مکی ہے۔

(۱۶) قصص مکی سورہ ہے جس میں الذین اتیناھم الکتاب سے لا نبتغی الجاھلین تک جو چار آیتیں ہیں وہ مدینہ کی نازل شدہ ہیں

اخرج الطبرانی عن ابن عباس انھا نزلت ھی واٰخر الحدید فی اصحاب النجاشی الذین قدموا وشھدوا وقعۃ الاحد

"طبرانی نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ یہ اور سورۂ حدید کا آخر یہ پانچواں آیتیں نجاشی کے ساتھ والوں کے بارے میں نازل ہوئی تھیں جو آکر جنگ احد میں شریک ہوئے تھے (اتقان صـ۱۶)

اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ سورۂ حدید کا آخری حصہ ان چار آیتوں کے ساتھ ساتھ اترا تھا حالانکہ اب ان کے درمیان ربع قرآن سے زیادہ کا فاصلہ ہے

(۱۷) عنکبوت شروع کی دس آیتیں مدینہ کی نازل شدہ اور اس کے بعد سے بقیہ حصہ مکی ہے۔

(۱۸) لقمان مکی سورہ ہے جس میں لو ان ما فی الارض من شجرۃ اقلام سے لے کر تین آیتوں تک مدنی ہیں

(۱۹) سجدہ اس میں افمن کان مومنا سے تین آیتوں تک مدینہ میں نازل ہوی ہیں اور بقیہ حصہ مکی لیکن اس میں بھی تتجافی جنوبھم والی آیت شان نزول کی بنا پر مدینہ کی نازل شدہ ہے۔

(۲۰) یٰس مکی سورہ ہے اس میں انا نحی الموتیٰ ونکتب ما قدموا وآثارھم الخ مدینہ کی نازل شدہ ہے۔

(۲۱) زمر قل یا عبادی سے لے کر تین آیتوں تک مدینہ کا نازل شدہ اور بقیہ حصہ مکی ہے۔

(۲۲) مومن مکی سورہ ہے جس میں ان الذین یجادلون سے دو آیتیں مدینہ میں نازل ہوی ہے۔

(۲۳) شوریٰ ام یقولون افتری علی اللہ کذبا سے چار آیتوں تک مدینہ کی نازل شدہ اور اس کے قبل وبعد کی آیتیں مکی ہیں۔

(۲۴) زخرف مکی سورہ ہے لیکن واسئل من ارسلنا الخ اس سے خارج ہے۔

(۲۵) جاثیہ۔ مکی ہے اور اس میں قل للذین آمنوا والی آیت مدنی ہے۔

(۲۶) احقاف مکی ہے لیکن اس میں قل ارأیتم ان کان من عند اللہ الخ خبر صحیح کی بنا پر مدینہ کی نازل شدہ ہے۔

(۲۷) ق مکی سورہ ہے لیکن ولقد خلقنا السماوات والارض

والی آیت مدینہ میں نازل ہوئی ہے۔

(۲۸) نجم مکی ہے جس میں الذین یجتنبون کبائر الاثم والفواحش والی آیت مدینہ کی ہے۔

(۲۹) سورہ رحمٰن مکیہ ہے مگر یسئلہ من فی السموات والارض الخ والی آیت مدینہ میں نازل شدہ ہے۔

(۳۰) واقعہ مکی ہے لیکن دو مقام اس کے مدنی ہیں۔ ۱؎ ثلۃ من الاولین وثلۃ من الآخرین ۲؎ فلا اقسم بمواقع النجوم سے لے کر آٹھ آیتوں تک۔

(۳۱) مجادلہ مکی سورہ ہے لیکن ما یکون من نجویٰ ثلثۃ الخ مدنی ہے

(۳۲) تحریم شروع سے دس آیتیں مدنی اور باقی مکی ہیں۔

(۳۳) ن والقلم اس میں انا بلوناھم سے سترہ آیتوں تک اور پھر فاصبر لحکم ربک سے تین آیتوں تک مدنی ہیں اور باقی ۳۲ آیتیں مکی۔

(۳۴) دھر مکی سورہ ہے مگر فاصبر لحکم ربک والی آیت مدینہ کی نازل شدہ ہے۔

(۳۵) مرسلات مکی ہے لیکن اذا قیل لھم ارکعوا لا یرکعون اس سے خارج ہے۔

اس کے علاوہ بھی مختلف سوروں میں اختلاف اقوال کی بناء پر ایسی ہی آیتیں موجود ہیں جن کو متفقہ حیثیت سے ثبوت بہم نہ پہنچنے کی وجہ سے ہم نے ترک کر دیا (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو اتقان سیوطی ج ۱ ص ۱۵-۱۷)

؎ علامہ سیوطی نے ایسا ہی لکھا ہے اور متداول مصاحف میں یہی درج ہے مگر شان نزول کے لحاظ سے یہ قطعاً درست معلوم نہیں ہوتا۔

MAAB 431
maablib.org

کیا اس کے بعد یہ امر قابل شک و شبہ ہے کہ ترتیب آیات میں سلسلۂ تنزیل کا کوئی لحاظ نہیں کیا گیا تھا اور آیات کو بغیر لحاظ تقدیم و تاخیر درج کر دیا گیا ہے۔

(دوسرا ثبوت) قرآن مجید میں عدۂ وفات کے متعلق ارشاد ہوا ہے۔

والذین یتوفون منکم ویذرون ازواجا وصیۃ لازواجھم متاعا الی الحول غیر اخراج فان خرجن فلا جناح علیکم فیما فعلن فی انفسھن من معروف واللہ عزیز حکیم۔	تم (مسلمانوں میں) سے جن لوگوں کا انتقال ہو جائے اور اُن کی بیویاں موجود ہوں تو ان کی بیویوں کے لیے حکم ہے سال بھر تک نان ونفقہ ملے اور وہ گھروں سے نہ نکلیں پھر جب (سال گزرنے پر) وہ نکلیں تو جو کچھ وہ اپنے بارے میں طرز عمل اختیار کریں تمھیں کوئی کام اس سے نہ ہوگا اور خدا غالب و حکیم ہے۔

اس آیت میں ازواج کے لیے ایک سال تک عدہ رکھنے کا حکم دیا گیا ہے لیکن باجماع اُمت یہ حکم اس آیت سے منسوخ ہے کہ

والذین یتوفون منکم ویذرون ازواجا یتربصن بانفسھن اربعۃ اشھر وعشرا فاذا بلغن اجلھن فلا جناح علیکم فیما فعلن فی انفسھن بالمعروف واللہ بما تعملون خبیر۔	تم (مسلمانوں میں) سے جن لوگوں کا انتقال ہو اور اُن کے بیویاں موجود ہوں تو چار مہینہ دس دن تک اپنے کو روکے رکھیں جب وہ اس مدت کو پورا کرلیں تو پھر جو کچھ وہ اپنے بارے میں طرز عمل کریں تمھیں تعرض کا حق نہ ہوگا اور خدا تمھارے اعمال پر مطلع ہے۔

اس آیت میں پہلے حکم کو منسوخ کرتے ہوئے عدہ کی میعاد چار مہینہ دس دن قرار

دی گئی ہے اور یہی حکم وہ ہے کہ جو مسلمانوں میں معمول بہ ہے۔

نسخ کے لغوی و اصطلاحی دونوں معنی کی بنا پر ناسخ و منسوخ میں ترتیب فطری یہ ہے یعنی یہ کہ منسوخ پہلے اور ناسخ بعد ہو لیکن مذکورہ بالا دونوں آیتوں میں صورت حال اس کے بالکل برعکس نظر آتی ہے یعنی قرآن مجید میں دوسری آیت پہلے اور پہلی آیت بعد ہے۔ دوسری دوسرے پارہ کے چودھویں رکوع میں اور پہلی اُس کے بعد پندرھویں رکوع میں ہے۔

کیا نظم قرآن کے بترتیب نزول ہونے میں یہ صورت ہو سکتی تھی؟ ہرگز نہیں بلکہ یہ یقینی طور پر اس امر کی دلیل ہے کہ جمع قرآن کو ترتیب نزول سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

(تیسرا ثبوت) خود قرآن مجید کے آیات میں عمیق نظر ڈالنے سے یہ بے ترتیبی نمایاں صورت سے ظاہر ہو جاتی ہے جس کی چند مثالیں ذیل میں درج کی جاتی ہے۔

پہلی مثال سورۂ انفال کے ابتدا میں جنگ بدر کا قصہ حسب ذیل الفاظ میں شروع کیا گیا ہے۔

کما اخرجک ربک من بیتک بالحق وان فریقا من المؤمنین لکارھون یجادلونک فی الحق بعد ما تبین کانما یساقون الی الموت

اُس صورت پر جس طرح پروردگار نے آپ کو بالکل ٹھیک مصلحت سے آپ کے گھر سے جنگ بدر میں نکالا تھا اور مسلمانوں کا ایک گروہ اس سے ناخوش تھا، وہ لوگ حق ظاہر ہونے کے بعد بھی آپ سے سچی بات میں جھگڑتے تھے

maablib.org

وهم ينظرون واذ يعدكم الله
احدى الطائفتين انها لكم و
تودون ان غير ذات الشوكة
تكون لكم ويريد الله ان يحق
الحق بكلماته ويقطع دابر
الكافرين ۔

گویا وہ زبردستی موت کے منہ میں ڈھکیلے
جا رہے ہیں اور اُسے اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں
اور یہ وہ وقت تھا، جب خدا تم سے وعدہ
کر رہا تھا کہ (کفار مکہ کی) دو جماعتوں میں سے
ایک تمہارے لیے ضروری ہے اور تم یہ چاہتے
تھے کہ کمزور جماعت تمہارے ہاتھ لگے اور خدا یہ چاہتا
تھا کہ اپنی باتوں سے حق کو قائم کرے اور کافروں کی جڑ کاٹ ڈالے

اور بالکل اسی سیاق میں مسلمانوں کی پریشانی اور خدا سے فریاد اور ملائکہ کا نصرت پر مامور ہو کے اُترنا ان تمام واقعات کا بیان کیا گیا ہے جس سے صاف ظاہر ہے کہ وہ آیات جنگ بدر کے بعد نازل ہوئے ہیں لیکن اسی کے بعد یہ آیت ہے۔

يا ايها الذين امنوا اذا لقيتم
الذين كفروا زحفا فلا تولوهم
الادبار ومن يولهم يومئذ
دبره الا متحرفا لقتال او
متحيزا الى فئة فقد باء بغضب
من الله وماواه جهنم وبئس
المصير۔

اے ایمان لانے والو جب کفار سے جنگ
میں مقابلہ ہو تو پشت نہ پھرانا اور جو اس
دن اپنی پشت پھرائے گا سوا اس کے کہ
جنگ کے واسطے کترائے یا کسی جماعت کے
پاس جانے کے لیے ہٹے تو وہ خدا کے
غضب میں گرفتار ہوگا اور اُس کا ٹھکانا
جہنم میں ہے اور وہ کیا بُرا ٹھکانا ہے۔

یہ تہدیدی آیت یقیناً جنگ کے قبل کی ہے اور اس کو جنگ ختم ہونے کے

maablib.org

بعد والے آیات سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

اس کے بعد پھر ایک مرتبہ سلسلہ قبل والے سیاق سے مل جاتا ہے۔

فلم تقتلوھم ولکن اللہ قتلھم وما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمیٰ	تم نے (اے مسلمانو) انھیں قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے قتل کیا اور آپ نے اے رسول، اُن کی طرف سنگریزے نہیں پھینکے بلکہ خدا نے پھینکے ہیں۔

یہ بھی جنگ کے بعد کی آیت ہے جو جنگ کے انجام کو قصہ ماضی کی صورت میں بیان کر رہی ہے۔

پھر غیر متعلقہ آیات کے بعد جنھیں اس واقعہ سے کوئی تعلق نہیں سورہ کے اواخر میں یہ آیت نظر آتی ہے۔

یا ایھا النبی حرض المومنین علی القتال ان یکن منکم عشرون صابرون یغلبوا مائتین وان یکن منکم مائۃ یغلبوا الفا من الذین کفروا بانھم قوم لا یفقھون۔	اے پیغمبر آپ مومنین کو جنگ پر آمادہ کیجئے رکھیے کہ اگر تم میں سے بیس آدمی ثابت قدم ہوں تو انھیں دو سو پر غالب آجانا چاہیے اور اگر سو ہوں تو وہ ایک ہزار کافروں پر غالب آئیں اس لیے کہ وہ لوگ ناسمجھ ہیں۔

قال الحسن ان التغلیظ کان علی اھل بدر ثم جاءت الرخصۃ

حسن نے کہا ہے کہ یہ سخت حکم اہل بدر کے لیے تھا پھر اس حکم کو آسان کر دیا گیا

اس بنا پر یہ آیت جنگ بدر کے پہلے اور فوراً ہی اس کے بعد کی آیت جس میں اس حکم کو منسوخ

کیا گیا ہے وہ اس کے بعد نازل ہوئی ہے۔ ناسخ و منسوخ دونوں آیتوں کا ایک ساتھ ہونا آئین نسخ کے خلاف ہے لیکن قرآن مجید میں یہ دونوں آیتیں حالات جنگ بدر کے بعد پہلو بہ پہلو موجود ہیں۔

دوسری مثال سورہ عنکبوت میں ابراہیم خلیل الرحمن کا تذکرہ اس طرح شروع ہوتا ہے۔

وابراھیم اذ قال لقومہ اعبدوا اللہ واتقوہ یہاں سے دو آیتوں تک جناب ابراہیم کا ذکر ہے جس میں ابراہیم کی گفتگو اپنی قوم سے نقل کی گئی ہے کہ ابراہیم نے کہا:۔

"خدا کی عبادت کرو اور اُس سے ڈرتے رہو۔ یہی تمھارے لیے بہتر ہے۔ تم خدا کو چھوڑ کر بتوں کی پرستش کرتے ہو اور جھوٹی باتیں بناتے ہو یہ جن کی تم عبادت کرتے ہو تمھاری روزی پر اختیار نہیں رکھتے تو پھر تم خدا ہی سے رزق مانگو اور اُسی کی عبادت کرو اور اُس کا شکریہ ادا کرو اور اُسی کی طرف تم پلٹ کر جاؤ گے"۔

اس کے بعد دیکھنے والے کی نظر صبر آزما جستجو رکھتی ہو گی کہ اس کا جواب قوم ابراہیم نے کیا دیا لیکن قرآن مجید میں یہ دیکھ کر تعجب ہو گا کہ اس کے بعد چھ آیتیں بالکل غیر متعلقہ ہیں جن کو اس قصہ سے کوئی تعلق نہیں اور اس کے بعد یہ آیت ہے کہ فما کان جواب قومہ الا ان قالوا اقتلوہ او حرقوہ الخ کہ جس کو لفظی و معنوی اتصال پہلی دونوں آیتوں کے ساتھ ہے اور اس میں قوم کا جواب ابراہیم کو فائے تفریع کے ساتھ نقل کیا ہے جو اس کے ارتباط کا پہلی آیتوں

سے ضامن ہے لیکن افسوس کہ موجودہ صورت جمع و تدوین نے اس اتصال کو افتراق سے بدل کر قرآن کی بلاغت کو دھچکا پہونچا دیا۔

تیسری مثال۔ سورۂ لقمان میں لقمان کے نصائح ذکر کرتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے۔

واذ قال لقمان لابنہ وھو یعظہ یا بنیّ لا تشرک باللہ ان الشرک لظلم عظیم۔	(وہ وقت یاد کرو) جب لقمان نے اپنے بیٹے سے اُس کو نصیحت کرتے ہوئے کہا کہ بیٹا خبردار کسی کو خدا کا شریک نہ بنانا اس لیے کہ شرک یقیناً بڑا سخت گناہ ہے۔
یا بنیّ انھا ان تک مثقال حبۃ من خردل فتکن فی صخرۃ او فی السماوات او فی الارض یات بھا اللہ ان اللہ لطیف خبیر۔	بیٹا اس میں شک نہیں کہ عمل اگر رائی کے دانہ کے برابر بھی ہو اور وہ کسی سخت پتھر کے اندر یا آسمانوں میں یا زمینوں میں ہو تب بھی اس کو حساب کے لیے خدا سامنے لائے گا اور خدا بڑا باریک بیں واقف راز ہے۔

یہ دونوں آیتیں دست وگریبان ہیں اور جس طرح بعد کی آیتیں وصایائے لقمان میں بالکل سلسلہ وار ہیں اسی طرح معنوی ارتباط کی بنا پر یہ دونوں آیتیں بھی ایک دوسرے سے وابستہ ہیں لیکن صورت یہ ہے کہ ان دونوں کے درمیان میں دو آیتیں بالکل غیر متعلق موجود ہیں۔

ووصینا الانسان بوالدیہ حملتہ اُمّہ وھنا علی وھن الخ جو نہ وصایائے لقمانی میں داخل ہیں اور نہ لقمان کا کلام اور نہ قصہ لقمان سے وہ کوئی

ربط رکھتی ہیں۔

پھر جب اس مقام پر یہ نمونہ واضح طور پر موجود ہے کہ ایسی دو آیتوں کے درمیان میں جو ایک کلام کی جزو اور ایک سلسلہ کی دو کڑیاں ہیں غیر متعلق آیتوں کا اضافہ کر دیا گیا ہے جس نے واقعہ کی بے ساختگی اور کلام کے تسلسل اور بیان کے ارتباط کو غیر معمولی صدمہ پہونچا دیا ہے تو پھر کیوں نہ اسی نوعیت کی۔

چوتھی مثال اس کو سمجھ لیا جائے کہ سورۂ احزاب میں ازواج نبی کی متعلقہ آیتوں میں جن میں صریحی طور سے یا نساء النبی کہہ کر ان کو مخاطب کیا گیا ہے ایک غیر متعلقہ آیت درج کر دی گئی ہے جو لفظ و معنی دونوں کے اعتبار سے ازواج کی آیتوں سے مغایرت رکھتی ہے۔ یعنی:۔ انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیرا۔ خصوصاً جبکہ مستند آثار و احادیث کے رُو سے اُس کا خاص وقت پر مخصوص اشخاص کے متعلق نازل ہونا پایۂ ثبوت کو پہونچ گیا جس میں ازواج کا کوئی حصّہ نہیں۔

ان تمام نظائر و امثلہ اور ان کے قبل مذکور ہونے والے ادلّہ و شواہد کی بنا پر یہ امر یقینی ہو جاتا ہے کہ قرآن مجید کے جمع و تالیف میں باعتبار شان نزول کے تقدیم و تاخیر اور تفرق و انتشار پایا جاتا ہے اور وہ اصلی صورت تنزیل سے کوسوں دُور ہے۔

خوش عقیدہ حضرات اس اندھا دھند کی ذمّہ داری خدا اور رسول پر عائد کرتے ہیں اُن کا خیال ہے کہ قرآن مجید کا نزول غیر مرتب صورت سے تھا اور حسب موقع متفرق طور پر آیات نازل ہوتے تھے۔ بعد میں رسالت مآبؐ جبرئیل امین کی

ہدایت سے اُن آیات کو مختلف سوروں پر تقسیم فرما دیتے تھے کہ یہ آیت اس سورہ کی ہے اور یہ آیت اُس دوسرے سورہ کی۔

اور اس طرح یہ صورت کہ جس پر موجودہ قرآن کی ترتیب ہوئی ہے لوح محفوظ والے مرتب قرآن سے مطابق ہے۔

اور اس کے ثبوت میں متعدد روایات کا حوالہ دیا جاتا ہے جن کو علامہ سیوطی نے اتقان ج ۱ صفحہ ۶۲-۶۳ میں درج کیا ہے۔

(۱) زید بن ثابت کی روایت کنا عند النبی صلی اللہ علیہ وسلم نؤلف القرآن من الرقاع ہم لوگ جناب رسالت مآبؐ کی خدمت میں قرآن مجید کو مختلف پرزوں سے جمع کیا کرتے تھے۔

جس کو حاکم نے مستدرک میں نقل کیا ہے لیکن افسوس ہے کہ اس روایت سے یہ نہیں ثابت ہوتا کہ وہ جمع و تالیف ترتیب نزول کے خلاف تھی۔

(۲) وہ حدیث جس کو احمد، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن حبان، حاکم نے ابن عباس سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے عثمان سے کہا "یہ تم لوگوں کو کیا ہو گیا تھا کہ تم نے انفال کو جو مثانی سے ہے اور برأت کو جو سور مئین سے ہے قرآن میں ملا کر لکھ دیا اور اس کے درمیان میں بسم اللہ بھی نہیں لکھی اور پھر ان دونوں کو سبع طوال میں درج کر دیا۔

حضرت عثمان نے جواب دیا کہ جناب رسالت مآبؐ پر مخصوص تعداد کے سورے نازل ہوا کرتے تھے تو جب کوئی آیت اترتی تھی آپ اپنے کاتبان وحی میں سے کسی کو بلا کر فرماتے تھے کہ ان آیات کو اُس سورہ میں درج کر دو جس میں ایسا ایسا مضمون

ہے۔ اور انفال اُن ابتدائی سوروں میں سے ہے جو مدینہ میں نازل ہوئے تھے اور برات سب سے آخر میں اُترا تھا اور اس میں جو واقعہ مذکور ہے وہ پہلے سورہ کے مضمون سے ملتا جلتا ہوا ہے اس بنا پر مجھے گمان ہوا کہ یہ اُسی پہلے سورہ کا جزو ہے۔ اس کے بعد جناب رسالت مآبؐ کا انتقال ہو گیا اور حضرت نے ہم کو نہیں بتلایا کہ یہ حقیقۃً اُس سورہ کا جزو ہے لہذا میں نے ان دونوں کو ملا کر لکھ دیا اور بسم اللہ ان دونوں کے درمیان میں درج نہیں کی اور اُس کو سبع طوال میں داخل کر دیا۔"

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ جناب رسالتؐ کسی آیت کے مقام کو تعیین کے ساتھ نہیں بتلاتے تھے۔ بلکہ یہ فرماتے تھے کہ جس سورہ میں ایسا ایسا مضمون مذکور ہے وہاں درج کر دو، یعنی آیات کی ترتیب میں مضمون کی مناسبت کا لحاظ ضروری تھا۔ اب اُن آیات کو کیا کہا جائے جو مضمون کے اعتبار سے بے جوڑ ہونے کے باوجود پہلو بہ پہلو ہیں اور ایک مسلسل واقعہ کے بیچوں بیچ غیر متعلقہ آیات نظر آتی ہیں کیا اُس کی ذمہ داری اُن کاتبان وحی کے سر ہے جن کو رسالت مآبؐ اس امر کا ذمہ دار بنائے ہوئے تھے یا کسی اور پر؟

(۳) وہ حدیث جس کو امام احمد نے عثمان بن ابی العاص سے نقل کیا ہے کہ میں حضرت رسولؐ کی خدمت میں بیٹھا تھا کہ ایک مرتبہ آپ نے نظر جما کر دیکھا اور پھر نظر بلند کی اور فرمایا کہ میرے پاس جبرئیل آئے تھے اور اُنھوں نے ہدایت کی ہے کہ میں اس آیت کو اس سورہ میں اس جگہ پر رکھ دوں اور وہ آیت یہ ہے ان اللہ یامر بالعدل والاحسان وایتاء ذی القربی الخ

(۴) بخاری نے ابن زبیر کی زبانی نقل کیا ہے کہ میں نے حضرت عثمان سے کہا (والّذین یتوفون منکم ویذرون ازواجا) والی آیت کو دوسری آیت نے منسوخ کر دیا ہے پھر آپ اس کو لکھتے اور اُس کو ترک کیوں کرتے ہیں؟ حضرت عثمان نے کہا یا ابن اخی لا اغیر شیئاً منه من مکانه فرزند برادر میں اس میں سے کسی چیز کو اُس کی جگہ سے نہیں ہٹاؤں گا۔"

ہٹانا منظور نہ تھا اس سے حافظ سیوطی نے یہ مطلب نکالنا چاہا ہے کہ وہ بالکل حضرت رسُولؐ کی قرار داد کے پابند تھے اور جو آیت جس جگہ رکھ دی گئی تھی اُس سے انحراف کرنا نہیں چاہتے تھے۔

لیکن درحقیقت یہ مطلب اِن الفاظ سے کوئی تعلق نہیں رکھتا۔ بات یہ ہے کہ حضرت عثمان نے اختلافات سے عاجز آکر تمام لوگوں کو ایک قرآن کا پابند بنانے کے لیے زید بن ثابت کے جمع کردہ قرآن کے سوا دوسرے صحابہ کے مصاحف کو نذر آتش کرا دیا تھا اور اُس قرآن کے سات نسخے لکھوا کر تمام عالم اسلام کے اطراف میں روانہ کر دیئے تھے جس کے تفاصیل آیندہ درج ہوں گے تو ابن زبیر کی اس خورده گیری پر انھوں نے جواب دیا کہ اب میں اس کے ایک حرف کو بھی اُس کی جگہ سے نہ ہٹاؤں گا کیونکہ اس سے میری محنت اکارت ہو جائے گی۔

اِن الفاظ کو ترتیب آیات کے توقیفی ہونے سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

(۵) صحیح مسلم کی حدیث حضرت عمر سے کہ میں برابر رسالت مآبؐ سے کلالہ کے معنی پوچھا کرتا تھا آخر حضرت نے (غصہ سے) اپنی انگلی میرے سینہ میں بھونک کر ارشاد فرمایا۔

تکفیک آیة الصیف التی فی آخر سورة النساء

تمہارے لیے کافی ہے سورۂ نسار کے آخر والی آیت"

(۶) وہ احادیث جن میں مختلف سوروں کا نام لے کر ان کے ابتدا یا انتہا کے آیات کی تلاوت کا ثواب بیان کیا گیا ہے یا مختلف نمازوں میں رسالت مآبؐ کا اِن سوروں کو پڑھنا نقل ہوا ہے۔

لیکن درحقیقت اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ قرآن مجید جناب رسالت مآبؐ کے وقت ہی میں اور نزول کے زمانہ ہی سے سوروں کی صورت میں منقسم تھا اور ان سوروں کے اسمار بھی تھے اور ان کے آیات بھی جُدا گانہ تھے جس کا ثبوت اُن تمام احادیث سے ہوتا ہے کہ جن میں رسالت مآبؐ نے خاص خاص سوروں کا حوالہ دے کر بعض احکام بیان فرمائے ہیں مگر تنقیح طلب یہ مسئلہ ہے کہ اُن سوروں کی ترتیب کیا موجودہ ترتیب کے مطابق تھی جس میں اول کی آیت آخر اور آخر کی آیت اول میں ہے یا کچھ اور؟ اس سوال کا جواب مذکورہ بالا احادیث میں سے کسی سے بھی نہیں نکلتا بلکہ اس کے برخلاف اعلم التابعین سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے حبر الامۃ ترجمان القرآن عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یعرف ختم السورۃ حتی ینزل علیہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت رسولؐ کو اس وقت معلوم ہوتا تھا کہ سورہ ختم ہو گیا جس وقت بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نازل ہوتی تھی۔"

دوسری روایت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی ہے کہ کنا لا نعلم فصل ما بین السورتین حتی ینزل بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔

"ہم کو دو سورتوں کا فاصلہ معلوم نہ ہوتا تھا جب تک کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نازل نہ ہوتی تھی۔

اِن دونوں روایتوں کو مشہور و مسلم الثبوت مفسر امام واحدی نے کتاب اسباب النزول (طبع مصر صلا) میں درج کیا ہے اور ان دونوں روایتوں سے صاف ظاہر ہے کہ ایک بسم اللہ نازل ہونے کے بعد دوسری بسم اللہ نازل ہونے تک جو کچھ اترتا تھا وہ ایک سورہ سمجھا جاتا تھا اور اُس بسم اللہ سے لے کر تیسری بسم اللہ کے اترنے تک دوسرا سورہ اور علیٰ ہذا القیاس۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آیات کی ترتیب اور سوروں کا انقسام براہ راست سلسلہ تنزیل کے مطابق تھا اور اس میں کسی الٹ پھیر کو دخل نہ تھا اور موجودہ ترتیب کو کوئی تعلق سور و آیات کی مقررشدہ ترتیب کے ساتھ نہیں ہے۔

اور پھر جبکہ مستند محدثین کے محررات میں ایسے روایات پائے بھی جاتے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ موجودہ جمع و تدوین کے سلسلہ میں کسی توقیف و قرار داد کی پابندی اختیار نہ کی گئی تھی چنانچہ حافظ سیوطی نقل کرتے ہیں۔ اخرج ابو داؤد فی المصاحف من طریق محمد بن اسحاق عن یحییٰ بن عباد عن عبد اللہ بن زبیر عن ابیہ قال اتی الحارث بن خزیمۃ بھاتین الاٰیتین من اٰخر سورۃ براءۃ فقال اشھد انی سمعتھما عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و وعیتھما فقال عمر و انا

اشہد لقد سمعتہا ثم قال لو کانت ثلث آیات لجعلتہا سورۃ علی حدۃ فانظروا آخر سورۃ من القرآن فالحقوہا فی آخرہا۔

مشہور حافظ حدیث ابن ابی داؤد نے با سناد خود زبیر بن العوام سے روایت کی ہے کہ حارث بن خزیمہ موجودہ سورۂ برائت کی دونوں آخری آیتیں (لقد جاءکم رسول الخ) لے کر آئے اور کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے رسالت مآبؐ کو انھیں پڑھتے ہوئے سُنا ہے اور یاد کیا ہے۔ حضرت عمر نے کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے ان دونوں آیتوں کو حضرتؐ کی زبان سے سُنا ہے۔ پھر حضرت عمر نے فرمایا کہ اگر یہ تین آیتیں بھی ہوتیں تو میں انھیں مستقل سورہ قرار دے دیتا اب کسی سورہ کے آخر میں دیکھ کر ان کو اس میں ملحق کر دو۔

شیخ الاسلام حافظ ابن حجر اس روایت کی وجہ سے بڑے شش و پنج میں پڑ گئے ہیں اور سیوطی نے اس روایت کو نقل کیا اور لکھا ہے کہ

یعارضہ ما اخرجہ ابن داؤد ایضا من طریق ابی العالیۃ عن ابی بن کعب انھم جمعوا القرآن فلمّا انتھوا الی الآیۃ التی فی سورۃ براءۃ ثم انصرفوا صرف اللّٰہ قلوبھم بانھم قوم لا یفقھون ظنوا ان ھذا آخر ما انزل فقال ابی ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم اقرأنی بعد ھذا آیتین لقد جاءکم رسول الی آخر السورۃ۔

"اس حدیث کے معارض ہے وہ جس کو خود ابن ابی داؤد نے ابوالعالیہ کے طریق سے ابی بن کعب سے روایت کیا ہے کہ صحابۂ کرام نے قرآن جمع کیا تو

جب اس آیت تک پہونچے جو سورہ برأت میں ہے کہ ثم انصرفوا صرف اللہ قلوبھم باِنھم قوم لا یفقھون تو خیال ہوا کہ یہ سب سے آخری آیت ہے جو رسالتمآبؐ پر نازل ہوئی تھی، ابی نے کہا کہ مجھ کو رسالتمآبؐ نے اس کے بعد دو آیتیں اور یاد کرائی تھیں کہ لقد جاءکم رسول الخ"

لیکن افسوس ہے کہ جب اس حدیث کے متن پر نظر ڈالی جاتی ہے تو وہ ایسی کمزوریوں پر مشتمل ہے جن کی بنار پر وہ خود اپنے صحت و اعتبار کو سنبھال نہیں سکتا، دوسری روایت سے معارضہ کر سکنا کیا معنی رکھتا ہے؟

پہلے تو تمام صحابہ کا یہ خیال کرنا کہ ثم انصرفوا صرف اللہ قلوبھم والی آیت بالکل آخری ہے اور ابی کا صرف اس امر کو ظاہر کرنا کہ اس کے بعد دو آیتیں اور ہیں اس امر کا صاف مظہر ہے کہ ان دونوں آیتوں میں ابی بن کعب متفرد تھے پھر صرف اُن کی گواہی پر یہ دونوں آیتیں قرآن میں درج کیونکر ہو گئیں جبکہ مقررہ اصول کے مطابق جب تک دو گواہ موجود نہ ہوتے کسی آیت کو درج قرآن نہ کیا جاتا یہاں تک کہ اس معاملہ میں حضرت عمر کی شخصیت کا لحاظ نہ کیا گیا اور اُن کی گواہی کو اس بنار پر مسترد کر دیا گیا کہ وہ اپنی گواہی میں تنہا تھے اور کوئی ان کے ساتھ نہ تھا۔

اور پھر بقول ان حضرات کے زید بن ثابت صاحب عرضۂ اخیرہ تھے یعنی آخری مرتبہ جو جبرئیل امین کے ساتھ قرآن کا مقابلہ ہوا تھا اُس میں یہ حاضر تھے اور ابی بن کعب بے چارے اس شرف سے محروم ۔۔۔ بلکہ وہ قدیم نازل شدہ قرآن کی تعلیم حاصل کیے ہوئے تھے اور اسی بنار پر جمع قرآن کے لیے ابی کو چھوڑ کر زید بن ثابت

کو منتخب کیا گیا تو پھر ایک ایسی آیت جس پر زید مطلع نہ تھے ابی بن کعب کی گواہی پر درج کیونکر کر دی گئی ؟ کیا اس میں یہ شبہہ نہ ہو سکتا تھا کہ وہ منسوخ التلاوۃ ہو اور اسی وجہ سے عرضۂ اخیرہ والے زید بن ثابت کے وہ گوش گذار نہ ہوئی۔

اس کے علاوہ اُن لوگوں کو اس آیت کے متعلق یہ خیال پیدا ہوا تھا کہ وہ رسالتمآبؐ پر سب کے بعد نازل ہوئی ہے لیکن ابی بن کعب نے بتلایا کہ نہیں رسالتمآبؐ نے مجھ کو دو آیتیں اور اس کے بعد یاد کرائی ہیں۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابی بن کعب کے نزدیک قرآن کی اصل ترتیب تاریخ نزول کے مطابق تھی ورنہ اس آیت کے بعد دو آیتوں کا یاد کرانا بھی اس امر کی دلیل نہ ہوتا کہ اُن کے قبل والی آیت سلسلہ تنزیل کے اعتبار سے بھی آخری نہیں ہے۔

اور پھر جبکہ طریقۂ جمع و تالیف والے احادیث سے درایۃً یہ امر ناممکن معلوم ہوتا ہے کہ موجودہ ترتیب میں اصلی سلسلۂ ترتیب کا نظم و نسق محفوظ رہا ہو اس لیے کہ زید بن ثابت نے کہ جو جمع قرآن کے ذمہ دار قرار دیئے گئے تھے یہ کہا ہے کہ کنت اجمعہ من الرقاع والعسب، واللخاف وصدور الرجال میں اس کو کاغذ کے پرزوں، درخت کی چھالوں، پتھر کے ٹکڑوں اور لوگوں کے سینوں سے جمع کرتا تھا۔ جس سے صاف ظاہر ہے کہ آیات قرآن مجتمع و منتظم صورت میں موجود ہی نہ تھے اور نہ اس طرح کسی سینہ کے اندر محفوظ تھے۔ پھر اگر حقیقۃً اُن آیات کے اندر کوئی ترتیب قائم تھی بھی تو اس ترتیب کی پابندی اس صورت سے جمع و تالیف میں کیونکر ممکن ہے بلکہ فطرۃً لازمی نتیجہ یہ ہے کہ آخر کا اول اور اول کا آخر ہو جائے اور اس طرح موجودہ ترتیب کی ذمہ داری کسی طرح خدا اور رسولؐ پر عائد

نہیں ہو سکتی۔

اگر غور کیا جائے تو ترتیب نزول کو سور و آیات قرآن کی افادی حیثیت میں بڑی اہمیت حاصل ہے۔ فلسفۂ تاریخ کی خبر رکھنے والے اس امر کا اندازہ رکھتے ہیں کہ واقعات کے تسلسل کو اُن کی نوعیت سمجھنے میں کتنا بڑا دخل ہوتا ہے اور واقعات کے اُلٹ پُلٹ ہو جانے سے اکثر باتوں کی تہ تک پہونچنے میں کیسی رکاوٹیں پیدا ہو جاتی ہیں۔

درحقیقت بہت سے اختلافات جو آیات قرآن کے معانی میں پائے جاتے ہیں وہ اسی ترتیب نزول کے برقرار نہ ہونے کا نتیجہ ہیں۔ اسی بنا پر حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے سب سے بڑے رازدار اور مصالح تنزیل کے سب سے زائد باخبر امیر المومنین علی بن ابی طالبؑ نے اس ضرورت کا احساس کیا اور اس اہم خدمت کی ذمہ داری اپنے اوپر لے کر قرآن مجید کو نزول کے مطابق جمع فرمایا جس کو علامۂ سیوطی نے اس طرح لکھا ہے کہ فمنهم من رتبها على النزول وهو مصحف علي كان اوله اقرأ ثم المدثر ثم ن ثم المزمل ثم تبت ثم التكوير وهكذا الى اخر المكي والمدني صحابہ میں سے بعض نے اس کو نزول مرتب کیا اور وہ علیؑ کا مصحف ہے جس کی ابتدا اقرأ سے اور اس کے بعد مدثر اور پھر قلم اور پھر مزمل پھر تکویر اور اسی صورت پر آخر تک مکی و مدنی سورے ترتیب وار درج ہیں۔ (اتقان ج ۱ ص ۶۳-۶۴)

اور حقیقۃً یہ کام سوا امیر المومنینؑ کے اور کوئی انجام بھی نہ دے سکتا تھا اس لیے کہ عہد رسالت مآبؐ میں قرآن کے آیات جو لکھوائے جاتے تھے وہ کاغذ کے پرزوں

اور درخت کی چھالوں اور پتھر کے ٹکڑوں پر جن کا مرتب صورت سے کسی مقام پر محفوظ ہونا ناممکن تھا اور صحابۂ کرام جو قرآن مجید یاد کرتے تھے وہ بھی کسی ترتیب کے ساتھ نہ تھا جس کا اعتراف علامہ شیخ مصطفےٰ صادق رافعی نے اپنی کتاب اعجاز القرآن میں کیا ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں۔

کان القرآن مرتب الآیات غیر انہ لم یکن مجموعا بین دفتیں فلا یومن ان یضطرب نسق مجموعہ فی ایدی الناس باضطراب القطع التی کتب فیھا تقدیما و تاخیرا و لم یلزم الناس القراءۃ یومئذ بتوالی السور وذلک ان الواحد منھم اذا حفظ سورۃ او کتبھا ثم خرج فی سریۃ فنزلت سورۃ اخری فانہ کان اذا رجع یأخذ فی حفظ ما ینزل بعد رجوعہ و کتابتہ ویتتبع ما فاتہ علی حسب ما تسھل لہ اکثرہ او اقلہ فمن ثم یقع فیما یکتبہ تاخیر المقدم و تقدیم الموخر۔

"قرآن کے آیات بجائے خود ترتیب رکھتے تھے لیکن وہ کسی ایک شیرازہ میں منسلک نہ تھے لہٰذا یہ اطمینان نہ ہو سکتا تھا کہ اس کا نظم ونسق لوگوں کے ہاتھ میں اُن ٹکڑوں کے الٹ پلٹ ہو جانے کی وجہ سے جن پر آیات درج تھے بدل نہ جائے گا اور پھر اُس زمانہ میں لوگ ترتیب کے ساتھ سوروں کے حفظ پر بھی مامور نہ تھے بلکہ صورت یہ تھی کہ ایک شخص اُن میں سے جب کوئی سورہ یاد کرتا تھا یا اُس کو اپنے پاس لکھتا تھا اور اس کے بعد اُس کو کسی معرکہ جہاد میں جانے کا اتفاق ہو جاتا تھا تو اس دوران میں بھی کچھ نہ کچھ آیات قرآن اور سورے نازل ہوتے تھے۔ جب وہ صحابہ واپس آتے تھے اب وہ اُن آیات کو جو تازہ نازل ہوتی تھیں یاد کرنا اور لکھنا شروع

کر دیتے تھے اور باقی ماندہ مقدار کو تھوڑا تھوڑا اپنے پاس لکھتے جاتے تھے۔ اسی وجہ سے اُن کے مکتوبہ آیات میں اول کا آخر اور آخر کا اول ہو جایا کرتا تھا۔

(اعجاز القرآن طبع مصر ص۲۳)

اس طرح ان صحابہ کے لیے یہ ممکن نہ تھا کہ وہ قرآن مجید کو سلسلۂ تنزیل کے مطابق یاد کریں اور پھر جبکہ ان میں سے کوئی بھی آیات قرآن کے نزول کے موقع پر برابر موجود بھی نہ تھا بلکہ ان میں سے اکثر ہجرت کے بعد اسلام لانے والے تھے جن کی غیبت میں کثیر حصہ قرآن مجید کا نازل ہو چکا تھا اور انھیں اطلاع بھی نہ تھی کہ کون آیت کب اور کس موقع پر نازل ہوئی اُس کے لیے تو ایک ہی شخص کی ضرورت تھی جو رسالت مآبؐ کے پاس اول زمانۂ بعثت سے اس طرح ساتھ رہا ہو جیسے جسم کے لیے سایہ اور سفر و حضر، تنہائی میں اور مجمع میں آپ کا ہمنفس رہا ہو۔ جس کی تعلیم کا بذاتِ خود حضرت کو اتنا خیال ہو .... جس کی تصویر کشی شاگرد نے ان الفاظ سے کی ہو اذا سألت اجابنی و اذا سکتت ابتدانی جب میں دریافت کرتا تھا تو جواب دیتا تھا تو خود سے مجھ کو تعلیم فرماتے تھے۔ جس کا دعوی یہ ہو کہ واللہ ما نزلت آیۃ الا وقد علمت فیما نزلت واین نزلت و علی من نزلت ان ربی وھب لی قلبا عقولا ولسانا ناطقا خدا کی قسم کوئی آیت نازل نہیں ہوئی مگر یہ کہ میں جانتا ہوں وہ کاہے میں اور کہاں اور کس کے متعلق نازل ہوئی خدا نے مجھ کو باخبر دل اور گویا زبان عطا کی ہے۔"

یا یہ کہ سلونی عن کتاب اللہ فانہ لیس من آیۃ الا وقد عرفت بلیل نزلت ام بنھار ام فی سھل ام فی جبل" مجھ سے کتاب خدا کے متعلق سوال کرو

اس لیے کہ کوئی آیت نہیں مگر یہ کہ میں جانتا ہوں وہ شب کو نازل ہوئی یا دن کو سہل میں یا جبل میں (دونوں روایتوں کے لیے ملاحظہ ہو تاریخ الخلفاء سیوطی ۱۸۴ بحوالہ طبقات ابن سعد)

اسی بنا پر حضرت کا اس فرض کو ادا کرنا درحقیقت اسلام کی وہ عظیم خدمت تھی جس کی مسلمان جتنی بھی قدر کرتے کم تھی، اس طرح قرآن خود اپنے مندرجہ حقائق کی ایک مرتب تفسیر ہوتا جس سے نہ معلوم کتنے متشابہ غوامض حل ہو جاتے۔

اور پھر جبکہ اس فرض کی اہمیت کا اندازہ خود صدر اسلام کے مسلمانوں کو تھا بھی لیکن وہ صورت حال کی بناء پر اس کو غیر ممکن الوقوع سمجھتے تھے جیسا کہ علامہ سیوطی کی اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ محمد بن سیرین نے عکرمہ سے پوچھا الفوہ کما انزل الاول فالاول "کیا صحابہ نے قرآن کو ترتیب نزول کے مطابق سلسلہ وار جمع کیا تھا، عکرمہ نے کہا لو اجتمعت الانس والجن علی ان یولفوہ ھذا التالیف ما استطاعوا "اس صورت سے تو اگر تمام جن وانس بھی جمع ہو جاتے قرآن مجید کو جمع نہ کر سکتے تھے" اتقان ص۶۹)

بیشک اس فقرہ کی تعمیمی وسعت میں تنگ نظری وکوتاہ بینی کا عنصر نمایاں ہے۔ گھر کی چار دیواری میں آنکھ کھولنے والا صحرا کی وسعت کا اندازہ نہیں کرتا۔ کال کوٹھری میں پوری زندگی گذارنے والا اپنی دنیا اُسی کال کوٹھری میں محدود سمجھتا ہے۔

اور اسی لیے عکرمہ کو نمایاں ہستیوں اور ذمہ دار شخصیتوں کے مبلغ علم پر نظر کر کے یہ حکم لگا دینے کا حق ضرور تھا کہ سمندر انہی اُٹھتے ہوئے حبابوں میں

منحصر ہے۔ انھیں کیا معلوم کہ محراب عبادت کے تاریک زاویوں اور نخلستان یثرب کے درختوں کے پاس مشکیزہ بر دوش ایسی ہستی بھی ہو سکتی ہے جس کے سامنے یہ مشکل مشکل نہیں ہے وہ رسولؐ کا حقیقی وارث علم ہے جس نے براہ راست معدن وحی وتنزیل سے اسرار تنزیل کو حاصل کر کے گنجینہ کی صورت میں محفوظ کیا ہے اور اس بنا پر اُسے حق پہونچتا ہے کہ وہ اس کے حقیقی صورت پر جمع وتالیف کے فرض کو انجام دے۔

چنانچہ آپ نے اس فریضہ کی اہمیت کو محسوس کیا اور سب سے پہلے اس فرض کو انجام دیا چنانچہ ابن ندیم نے لکھا ہے:۔ انہ رأی من الناس طیرۃ عند وفاۃ النبیؐ فاقسم انہ لا یضع علی ظھرہ ردائہ حتی یجمع القرآن فجلس فی بیتہ ثلاثۃ ایام حتی جمع القرآن فھو اول مصحف جمع فیہ القرآن من قلبہ آپ نے پیغمبر خداؐ کے بعد مسلمانوں کا انتشار دیکھا تو قسم کھائی کہ آپ اپنے دوش پر عبا نہیں ڈالیں گے جب تک قرآن کو جمع نہ فرمالیں۔ چنانچہ آپ تین دن گھر کے اندر بیٹھے یہاں تک کہ قرآن جمع کیا اور یہ سب سے پہلا مصحف تھا جو آپ نے اپنے حفظ کے مطابق جمع فرمایا تھا (فہرست ص ۴۱)

اب یہ امر" امور مملکت خویش "کے تحت میں شاید زبان کشائی سے بلند وبالا سمجھا جائے کہ پھر آخر جمع قرآن کے موقع پر امیر المومنینؑ کے جمع کردہ مصحف کو کم سے کم لے کر دیکھنے یا آپ کو جمع قرآن کے کام میں شریک کرنے یا بالا بالا کم از کم آپ سے مشورہ لینے ہی کی ضرورت کیوں نہ سمجھی گئی۔

یہ تاریخ کا حیرت انگیز کرشمہ نہیں تو کیا ہے کہ علامہ مصطفٰے صادق رافعی

"اعجاز القرآن" میں لکھتے ہیں:۔

مالیس فیہ ریب ان منہم قوما جمعوا القرآن کلہ لنذالک العھد وقد اختلفوا فی تعیینہم بیل انہم اجمعوا علی نفر منہم علی بن ابی طالب ومعاذ بن جبل و ابی بن کعب و زید بن ثابت وعبد اللہ بن مسعود وھولاء کانوا مادۃ ھذا الامر من بعد فان المصاحف التی اختصت بالثقۃ کانت ثلثۃ مصحف ابن مسعود و مصحف ابی و مصحف زید۔

"اس میں شبہ نہیں کہ صحابہ میں سے بعض حضرات نے تمام قرآن اُسی زمانہ میں جمع کر لیا تھا اور ان لوگوں کی تعیین میں اختلاف ہے لیکن مذکورۂ ذیل اشخاص کے متعلق اجماع ہے علیؑ بن ابی طالب، معاذ بن جبل، ابی بن کعب، زید بن ثابت، عبد اللہ بن مسعود۔ اور یہی لوگ بعد کے لیے اس امر کے سرچشمہ تھے اس لیے کہ جو مصاحف بعد میں مخصوص طور پر قابل اعتماد سمجھے گئے وہ یہ تین تھے۔ مصحف ابن مسعود، مصحف ابی، مصحف زید (ص ۳۵-۳۶)

اول و آخر کی تطبیق کے بعد نتیجہ صاف ظاہر ہے کہ باجماع امت علی بن ابی طالبؑ نے قرآن جمع کیا تھا لیکن صحابہ کو اعتماد جو پیدا ہوا وہ ابی بن کعب اور عبد اللہ بن مسعود اور زید بن ثابت کے جمع کردہ قرآن پر اور بس۔

اب امیر المومنینؑ کے لیے طریق کار دو صورتوں میں منحصر تھا۔ ایک یہ کہ آپ اپنے جمع کردہ مصحف کو منظر عام پر لا کر اُس کی نشر و اشاعت میں پوری کوشش صرف فرماتے اور مسلمانوں کو اُس پر عمل کی دعوت دیتے۔ یہ صورت بے شک مسلمانوں

کے لیے اُن فوائد سے استفادہ کا موقع پیدا کرتی کہ جو آیات قرآن کے سلسلہ مع اجتماعیہ کو ایک عظیم صدمہ پہونچتا یعنی اُن کے لیے ایک قرآن کے بجائے دو قرآن ہو جاتے جو اقوام عالم میں اسلام کی عظمت و روحانیت کے لیے سم قاتل کا حکم رکھتا تھا۔ اور پھر اس کی کوئی ضمانت نہ تھی کہ ابی بن کعب و عبداللہ بن مسعود وغیرہ والے مصحفوں کے ساتھ تیسرے دور میں وہ بھی نذر آتش نہ کر دیا جاتا۔

دوسرے یہ کہ آپ باوجود اختلاف مسلک کے مفاد اسلامی کا لحاظ کرتے ہوئے اپنے مرتب کردہ قرآن کو اپنے پاس محفوظ رکھ کر عملی طور سے اسی صورت کو تسلیم کر لیں جس کو مسلمانوں کے ذمہ دار افراد نے اپنی صواب دید سے تجویز کیا تھا اور اپنے متبعین کو اسی پر عمل کی دعوت دیں۔ اس طرح امیر المومنین ؑ کی ذاتی حیثیت سے اگرچہ ایک حد تک شکست سمجھی جا سکتی ہے یعنی یہ کہ اُن کا مرتب کردہ قرآن مقبولیت عامہ کے درجہ کو حاصل نہ کر سکا بلکہ خود آپ کو دوسروں کی صواب دید کا پابند ہونا پڑا لیکن آپ نے مفاد اسلامی کی خاطر کبھی اپنے ذاتی مفاد کا لحاظ نہیں کیا۔

آپ نے اسی اسلامی شیرازہ کی نگہداشت کے لیے اپنے حق کو حاصل کرنے میں زبانی احتجاج پر اکتفا کرتے ہوئے کبھی عملی اقدام نہیں کیا۔ انھوں نے اسی کی خاطر ستائیس برس تک خانہ نشینی گوارا کی اور مقابلہ کا خیال بھی دل میں نہ لائے۔

انجام بین اور عاقبت اندیش حافظ اسلام نے ان دونوں صورتوں کا موازنہ کیا اور پہلی صورت کو دوسری صورت سے زیادہ خطرناک پایا۔ بیشک

اگر موجودہ قرآن میں وہ ایسی تغیر و تبدیل پاتے جس سے احکام الٰہیہ اور شریعت اسلامیہ پر کوئی اثر پڑتا ہو تو وہ ضرور اس کے خلاف مظاہرہ کرکے جس صورت سے بھی ممکن ہوتا حقیقی قرآن کی نشر و اشاعت کرتے لیکن صورت حال اس کے خلاف تھی۔ انھوں نے اپنے مرتب کردہ قرآن کو اپنے پاس محفوظ رکھ کر موجودہ قرآن کو عملی حیثیت سے تسلیم کرلیا۔ اس طرح اگرچہ وہ فوائد جو ترتیب نزول کی بنا پر حاصل ہوسکتے تھے حاصل نہ ہوسکے لیکن اسلامی عقیدۂ قرآن کا شیرازہ درہم برہم ہونے سے محفوظ رہا اور موجودہ قرآن کو تسلیم کرکے آپ نے اپنے متبعین کو قرآن موجود پر ایمان لانے کی ایک مضبوط سند دے دی جس کی بنا پر وہ اس کو کلام الٰہی اور کتاب سماوی سمجھنے پر مجبور ہیں۔ اس جزو کی تفصیل کے لیے ابھی آیندہ کا انتظار کرنا چاہیے۔

ہم تو ابھی جمہور مسلمین کے نقطۂ نظر سے یہ دکھلانا چاہتے ہیں کہ عام محدثین نے قرآن مجید کے متعلق کس کس قسم کے روایات درج کیے ہیں اور وہ ایمان بالقرآن کے معیار پر ٹھیک اترتے ہیں یا نہیں۔

آیات قرآن میں صحابہ کے اختلافات

قرآن مجید میں صحابہ کا اختلاف صرف سلسلہ و ترتیب میں منحصر نہ تھا بلکہ آیات قرآن میں بھی بہت نمایاں اختلافات پائے جاتے تھے چنانچہ صحیح بخاری میں "مناقب ابن مسعودؓ" کے ذیل میں یہ روایت موجود ہے۔

حدثنا موسیٰ عن ابی عوانۃ عن مغیرۃ عن ابراھیم عن علقمۃ قال دخلت الشام فصلیت رکعتین فقلت اللّٰھم یسر لی جلیسا

صالحا فرأیت شیخا مقبلا فلما دنا قلت ارجوان یکون استجاب قال من این انت قلت من اهل الکوفة قال افلم یکن فیکم صاحب النعلین والوسادة والمطهرة او لم یکن فیکم الذی اجیر من الشیطان او لم یکن فیکم صاحب السر الذی لا یعلمه غیره کیف قرأ ابن ام عبد واللیل اذا یغشی فقرأت واللیل اذا یغشی والنهار اذا تجلی والذکر والانثیٰ فقال اقرأنیها النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم فاه الی فیّ فمازال هؤلاء حتی کادوا یردوننی۔

علقمہ کا بیان ہے کہ میں شام گیا اور دو رکعت نماز پڑھ کر خدا سے دُعا کی کہ خداوندا میرے لیے ایک اچھا ہمنشین پیدا کردے، یکایک ایک ضعیف العمر بزرگ آتے ہوے نظر آئے جب میرے قریب آئے تو میں نے کہا کہ انشاء اللہ میری دعا مستجاب ہوئی ہے۔ انھوں نے کہا کہ تم کون ہو میں نے کہا "کوفہ کا رہنے والا ہوں" کوفہ کا نام سُن کر اُنھوں نے حذیفہ اور عمار کا تذکرہ کیا اور پھر کہا کہ سچ بتاؤ ابن مسعود واللیل اذا یغشیٰ والی آیت کو کیونکر پڑھا کرتے تھے؟ میں نے کہا واللیل اذا یغشی والنہار اذا تجلی والذکر والانثیٰ ضعیف العمر بزرگوار نے کہا کہ مجھ کو بھی رسالتمآب نے اپنی زبان مبارک سے یونہی یاد کرایا تھا لیکن ان لوگوں نے اس کے خلاف مجھ پر اتنا دباؤ ڈالا کہ قریب تھا کہ میں اس قراءت کو ترک کردوں۔

(بخاری مطبوعہ کرزن پریس دہلی ص۵۳۱)

یہی حدیث اس کے قبل مناقب عمار و حذیفہ کے تحت میں دو طریقوں سے

مذکور ہے جن میں تصریح ہے کہ وہ بزرگ جن سے ملاقات ہوئی تھی ابوالدرداء
تھے اور دو طریقوں سے "باب من التی لہ الوسادہ" صفحہ ۹۲۹ میں مذکور ہے۔
قرآن مجید کی موجودہ آیت میں وما خلق الذکر والانثیٰ ہے اور معلوم
ہوا کہ ابن مسعود اور ابو درداء دونوں اس کو والذکر والانثیٰ پڑھا کرتے تھے

علامہ شیخ مصطفےٰ صادق رافعی نے بھی جمع قرآن کا تذکرہ کرنے کے بعد
لکھا ہے کہ بقیت تلک الصحف عند ابی بکر ینتظر بہا وقتہا ان یحین
حتی اذا توفی سنہ ۱۳ھ صارت بعدہ الی عمر فکانت عندہ حتی مات
ثم کانت عند حفصۃ ابنتہ صدرا من ولایۃ عثمان ویومئذ
اتسعت الفتوح وتفرق المسلمون فی الامصار فاخذ اہل کل
مصر عن رجل من بقیۃ القراء فاہل دمشق حمص اخذوا عن
المقداد بن الاسود واہل الکوفۃ عن ابن مسعود واہل البصرۃ
عن ابی موسی الاشعری وقرء کثیر من اہل الشام بقرأۃ ابی
بن کعب وکانت وجوہ القراءۃ التی یؤدون بہا القرآن مختلفۃ۔

وہ صحف جو زید بن ثابت نے جمع کیے تھے حضرت ابوبکر کے پاس باقی رہے
اور وہ ان کے متعلق موقع کے منتظر رہے یہاں تک کہ اُن کا انتقال ہوا پھر اُن کی
صاحبزادی حفصہ کے پاس حضرت عثمان کی خلافت کی ابتدائی دور میں محفوظ
رہے اس زمانہ میں اسلامی فتوحات کا دائرہ وسیع ہو چکا تھا اور مسلمان اطراف
عالم میں منتشر ہو گئے تھے۔ لہذا ہر شہر والوں نے ایک شخص سے حفاظ قرآن میں
سے قرآن کی تعلیم حاصل کی۔ اہل دمشق نے مقداد بن اسود سے اور اہل کوفہ

نے ابن مسعود سے اور اہل بصرہ نے ابو موسیٰ اشعری سے اور بہت سے اہل شام نے ابی ابن کعب کی قراءت سے پڑھنا شروع کیا اور قراءت کے اصول جن پر وہ لوگ قراءت کرتے تھے مختلف تھے (اعجاز القرآن ص۳۸)

لیکن اس اختلاف کی ذمہ داری بھی رسالت مآبؐ پر عائد کی گئی ان احادیث کی بناء پر جن میں یہ وارد ہوا ہے کہ انزل القرآن علی سبعۃ احرف، اگرچہ ان احادیث کے معنی اتنے متشابہ سمجھے گئے کہ اُن میں اختلافات کی حد نہ رہی یہاں تک کہ ابو حاتم محمد بن حبان بستی متوفی ۳۵۴ھ نے ان احادیث کے متعلق علماء کے اقوال کو ۳۵ کی تعداد تک پہنچا لیا ہے اور اکثر معانی کے بناء پر ان کو الفاظ قرآن کے اختلاف سے کوئی تعلق باقی نہیں رہتا لیکن موجودہ صحاح سے جس قول کی تائید حاصل ہوتی ہے اور جس پر علمائے اہل سنت نے صحابہ کرام کے اختلافات کو منطبق کیا ہے وہ یہی ہے کہ حروف سے مراد آیات قرآن میں اپنے اپنے ذوق و زبان کے مطابق الفاظ کا تغیر و تبدل ہے کہ جس سے مطالب پر کوئی اثر نہ پڑے اس لیے کہ صحابہ مختلف قبائل سے تعلق رکھتے تھے اور ہر قبیلے کے لیے اکثر اُن الفاظ کا تلفظ جو دوسرے قبیلہ میں متداول ہیں دشوار تھا اس لیے خداوند عالم کی جانب سے رسالت مآبؐ کو قرآن مجید کے الفاظ کو زیادہ سے زیادہ سات طریقہ پر پڑھنے کی اجازت دی گئی اور حضرت ہر قبیلہ کے شخص کو اُسی کے محاورہ کے مطابق قرآن کی تعلیم دیتے تھے۔ چنانچہ نقیب السادۃ الاشراف بالدیار المصریہ سید محمد علی ببلاوی اپنی کتاب "التعریف بالنبی والقرآن الشریف مطبوعہ مصر ۱۳۲۰ھ ص۱۷) میں احرف سبعہ کی تفسیر کرتے

ہوئے لکھتے ہیں۔ المختار ان معنی نزول القرآن علی سبعۃ احرف اشتمالہ علی سبعۃ اوجہ یقرأ القاری بای وجہ منھا علی البدل من صاحبہ فایما سمع القاری من النبی صلی اللہ علیہ وسلم قرأ بہ فقد وسع النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان یقرء کل جماعۃ بالحرف ای اللغۃ التی جرت علیھا السنتھم فالھذلی یقرأ عتی حین بدل حتی حین والاسدی تعلمون بکسر التاء بدل تعلمون بفتح التاء ولو اراد کل فریق ان یزول عن لغتہ وما جری علیہ لسانہ طفلا ونا شئا وکھلا لشق ذلک غایۃ المشقۃ فابیح للنبی صلی اللہ علیہ وسلم ان یقرأھم بلغاتھم تیسیرا من اللہ علی خلقہ وتحقیقا لما اتصف بہ صلی اللہ علیہ وسلم من الرافۃ بامتہ والشفقۃ علیھم۔

"قول مختار یہ ہے کہ معنی سات حرفوں پر نزول قرآن کے یہ ہیں کہ اُس میں سات صورتیں پائی جاتی ہیں جن کے ساتھ ادل بدل کر ان کو پڑھا جا سکتا ہے تو اُن صورتوں میں سے جس طرح بھی رسالت مآبؐ کی زبان سے گوش گذار ہو جائے اُس صورت سے پڑھنا جائز ہو گا کیونکہ رسالت مآبؐ کو اجازت دی گئی تھی کہ وہ ہر جماعت کو اُسی کی مادری زبان اور فطری محاورہ کے مطابق قرآن کی تعلیم دیں تو قبیلہ بنی ہذیل کا شخص مثلاً حتی حین کو عتی حین پڑھ سکتا تھا اور بنی اسد کا آدمی تعلمون بفتح تار کو تعلمون بکسر تار پڑھنے کا حق رکھتا تھا۔ اور اگر ہر قبیلہ یہ چاہتا کہ اپنے روزمرہ محاورہ کو ترک کر دے جس کا وہ بچپنے جوانی اور ادھیڑپن میں عادی رہ چکا ہے تو اس میں

اُس کے لیے بہت بڑی دشواری پیش آتی اس لیے رسالت مآبؐ کے لیے جائز قرار دیا گیا کہ وہ اُن کو انہی کی زبان میں قرآن کی تعلیم دیں۔ اس طرح خداوند عالم کی طرف سے اپنے مخلوق کے لیے سہولت پیدا کی گئی اور حضرت رسولؐ کی مہربانی و شفقت اپنی امت پر پایۂ ثبوت کو پہونچی"

یہ اختلاف معمولی طریقۂ تلفظ یا صرف حرکات حروف ہی محدود نہ تھا بلکہ یہ اختلاف اس حد پر تھا کہ جس سے صحابہ کرام کو بعض اوقات تشویش اور اضطراب پیدا ہو جاتا تھا اور آخر جب جناب رسالت مآبؐ کی طرف رجوع کرتے تھے تو حضرت فرماتے تھے کہ دونوں ٹھیک ہیں جیسا کہ صحیح بخاری کی اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عمر فرماتے ہیں

سمعت هشام بن حکیم یقرأ سورة الفرقان فی حیاة رسول الله صلی الله علیه وسلم فاستمعت لقرائته فاذا هو یقرأ علی حروف کثیرة لم یقرأنیها رسول الله صلی الله علیه وسلم فکدت اساوره فی الصلوٰة فتصبرت حتی سلم فلببته بردائه فقلت من اقرأك هذه السورة التی سمعتك تقرأ قال اقرأنیها رسول الله صلی الله علیه وسلم فقلت کذبت فان رسول الله صلی الله علیه وسلم قد اقرأنیها علی غیر ما قرأت فانطلقت به اقوده الی رسول الله صلی الله علیه وسلم فقلت انی سمعت هذا یقرأ بسورة الفرقان علی حروف لم تقرأنیها فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم ارسله اقرأ یا هشام فقرأ علیه القرأة التی سمعته یقرأ فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم کذلك

انزلت ثم قال اقرأ یا عمر فقرأت القراءۃ التی اقرأنی فقال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم کذالک انزلت ان ھذا القرآن انزل علی سبعۃ احرف فاقرؤا ما تیسر منہ

میں نے ہشام بن حکیم کو جناب رسالت مآبؐ کی زندگی میں سورہ فرقان پڑھتے دیکھا، میں نے غور سے سننا شروع کر دیا تو معلوم ہوا کہ وہ بہت سے ایسے الفاظ پڑھ رہے تھے جن کے ساتھ مجھ کو رسالت مآبؐ نے اُس سورہ کی تعلیم نہیں دی تھی۔ بس قریب تھا کہ نماز ہی میں اُن سے دھر پٹخ کروں مگر نفس پر جبر کر کے میں نے صبر کیا یہاں تک کہ اُنھوں نے سلام پھیرا، اُس وقت میں نے بڑھ کے اُن کی چادر کا پھندا بنا کر اُن کے گلے میں ڈالا اور اُس کو کھینچ کر کہا کہ تم کو یہ سورہ جو میں نے تمھیں پڑھتے سُنا کس نے یاد کرایا ہے؟

انھوں نے کہا کہ مجھ کو جناب رسالت مآبؐ نے اس کی تعلیم دی ہے میں نے کہا تم بالکل غلط کہتے ہو، رسالت مآبؐ نے خود مجھ کو اس سورہ کی تعلیم دی ہے اس صورت سے جدا گانہ کہ جس طرح تم نے پڑھا، یہ کہہ کر میں اُنھیں کھینچتا ہوا رسالت مآبؐ کے پاس لایا اور کہا کہ دیکھئے تو یہ سورۂ فرقان کو ایسے الفاظ کے ساتھ پڑھتا ہے جس کے خلاف آپ نے مجھ کو تعلیم دی ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ "انھیں چھوڑ دو" پھر ہشام کی طرف مخاطب ہو کر (کیوں پڑھو تو! کیونکر پڑھتے ہو؟" ہشام نے سورہ کو اُسی طرح سے پڑھا جس طرح میں نے اسے سُنا تھا حضرت نے فرمایا۔ بے شک یہ سورہ اس طرح نازل ہوا ہے، پھر مجھ سے فرمایا اچھا تم پڑھو" میں نے بھی اُسی صورت سے جس طرح مجھ کو یاد تھا

پڑھا حضرت نے فرمایا ہاں اس طرح بھی نازل ہوا ہے پھر فرمایا کہ یہ قرآن سات حرفوں پر نازل ہوا ہے اور تم لوگوں کو اختیار ہے کہ اُن میں سے جو آسان ہو اُس طرح اس کو پڑھو" (مطبوعہ کرزن پریس دہلی ص ۲۴۷)

حافظ محمد بن جریر طبری نے تفسیر جامع البیان میں اسی نوعیت کا دوسرا واقعہ بھی درج کیا ہے اسحاق بن عبد اللہ بن ابی طلحۃ عن ابیہ عن جدہ قال قرأ رجل عند عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ فغیر علیہ فقال لقد قرأت علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فلم یغیر علیّ قال فاختصما عند النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال یا رسول اللہ الم تقرأنی آیۃ کذا وکذا قال بلی قال فوقع فی صدر عمر شیئ فعرف النبی صلی اللہ علیہ وسلم ذلک فی وجہہ قال فضرب صدرہ وقال ابعد شیطانا قالھا ثلثا ثم قال یا عمر ان القرآن کلہ صواب مالم تجعل رحمۃ عذابا او عذابا رحمۃ" ابوطلحہ کی روایت ہے کہ کسی شخص نے حضرت عمر کے سامنے قرآن مجید کی تلاوت کی، حضرت عمر نے اس کو ٹوکا اُس نے کہا کہ میں نے رسالت مآب کے سامنے اس کو پڑھا ہے اور حضرت نے نہیں ٹوکا آخر دونوں آدمی جناب رسالت مآب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مقدمہ پیش ہوا اُس نے رسول کی خدمت میں عرض کیا کیا حضور نے مجھ کو یہ آیت اس اس طرح یاد نہیں کرائی تھی؟ حضرت نے فرمایا ہاں کیوں نہیں، یہ کہہ کر حضرت عمر کے دل میں کچھ بات آئی جس کا احساس فرما کر رسالت مآب نے عمر کے سینے پر ہاتھ مارا اور تین مرتبہ فرمایا شیطان کو اپنے سے دُور کر دو قرآن کل کا کل ٹھیک ہے جب

تک آیت رحمت آیت عذاب اور آیت عذاب آیت رحمت بنا نہ دی جائے (جلد اول

مطبوعہ مصر صنہ ۱)

اسی بنا پر حضرات شیخین نے اس اختلاف کو گوارا کیا اور اگرچہ خود قرآن مجید کو زید بن ثابت کے توسط سے جمع کرا لیا تھا لیکن دوسرے صحابہ کو مجبور نہیں کیا کہ وہ بھی اُسی صورت پر قرآن مجید کو پڑھیں اور تعلیم دیں بلکہ حضرت عمر نے ابی بن کعب کو جن کے مصحف کی ترتیب بالکل مصحف زید سے جدا گانہ اور جن کی قراءت بھی اُن کی قراءت سے مختلف تھی خود نماز تراویح کا امام مقرر کیا اور تمام لوگوں کو مامور کیا کہ وہ اُنہی کی قراءت کے ساتھ پڑھیں اور جب کسی قراءت کے متعلق اُن کو علم ہو گیا کہ یہ ابی بن کعب کی بتلائی ہوئی ہے تو پھر وہ سوا تسلیم کر لینے کے اُس کے متعلق ایک حرف بھی نہ کہتے تھے۔ چنانچہ ملا علی متقی نے کنز العمال میں نقل کیا ہے۔

عن بجالة قال مر عمر بن الخطاب بغلام وهو يقرأ في المصحف النبي اولی بالمومنين من انفسهم وازواجه امهاتهم وهو اب لهم فقال يا غلام حكها قال هذا مصحف ابی فذهب اليه فسأله فقال انه كان يلهيني القرآن ويلهيك الصفق بالاسواق۔

حضرت عمر نے ایک لڑکے کو مصحف میں پڑھتے سنا کہ النبی اولی بالمومنین من انفسهم وازواجه امهاتهم وهو اب لهم آپ نے فرمایا کہ اس وهو اب لهم کے فقرہ) کو چھیل ڈالو اُس نے کہا کہ یہ کسی اور کا نہیں ابی بن کعب کا مصحف ہے یہ سُن کر آپ ابی کے پاس گئے اور اُن سے دریافت کیا۔ ابی نے کہا کہ آپ کو کیا خبر، مجھے دن رات قرآن میں صرف ہوتا تھا اور آپ کو بازاروں

maablib.org

میں پھرنے سے فرصت نہ تھی۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ ابی کے مصحف میں آیہ النبی اولی بالمؤمنین کے آخر میں وھواب لھم کا ٹکڑا زیادہ تھا جو زید بن ثابت کے جمع کردہ قرآن میں موجود نہیں ہے لیکن حضرت عمر نے اس کو برداشت کر لیا۔

اور عبداللہ بن مسعود کے متعلق اتنا اعتماد تھا کہ جب حضرت عمر کے پاس ایک شخص نے مقام عرفات میں آ کر کہا کہ جئتک من الکوفۃ و ترکت بھا رجلا یملی المصحف عن ظھر قلبہ میں کوفہ سے آیا ہوں اور وہاں ایک شخص کو چھوڑا ہے کہ وہ مصحف کو بالکل از بر پڑھتا ہے تو یہ سن کر آپ کو شدید غصہ آیا اور کہا۔ ویحک ومن ھو جلدی بتا وہ ہے کون؟ اُس نے کہا عبداللہ بن مسعود فوراً آپ کا غصہ فرو ہو گیا اور کہا واللہ ما اعلم احدا احق بذلک منہ خدا کی قسم میں کسی شخص کو نہیں دیکھتا کہ وہ اُن سے زیادہ اس امر کا حقدار ہو۔

(ملاحظہ ہو استیعاب ابن عبدالبر برحاشیۂ اصابہ طبع مصر ج ۲ ص ۳۲۲)

اور اس روایت کو حافظ ابن حجر عسقلانی نے بھی (اصابہ ج ۳ ص ۲۴۴) میں درج کیا ہے یہ صورت حال اسی طرح قائم رہی اور صحابہ پوری آزادی کے ساتھ قرآن مجید کی تلاوت اپنے اپنے طریقہ پر کرتے تھے یہانتک کہ حضرت عثمان کا دور آیا اور اُس وقت یہ اختلاف مفاد اسلامی کے لیے مضر قرار دیا گیا اور اطراف سے فریادیں آنے لگیں کہ صحابہ کرام کے اختلاف کی وجہ سے قریب ہے کہ لوگ ایک دوسرے کی تکفیر کرنے لگیں اور خود قرآن مجید کے آیات کا انکار کر دیں اور اس کی وجہ سے آتش فتنہ و فساد بھڑک اُٹھے چنانچہ اس صورت حال اور اُس کے نتائج کی روک تھام

علامۂ رافعی نے حسب ذیل الفاظ میں کی ہے۔

کانت وجوہ القراءۃ التی یودون بھا القرآن مختلفۃ باختلاف الاحرف التی نزل علیھا کما سیمر بلث فکان الذی یسمع ھذا الاختلاف من اھل تلک الامصار اذا احتوتھم المجامع او التقوا فی المواطن علی جھاد اعدآءھم تعجب من ذلک ان تکون ھذہ الوجوہ کلھا علی اختلاف ما بینھما فی کلام واحد فاذا علم ان جمیع القراءت مسندۃ الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وانہ اجازھا لا یمتنع ان یحیاک فی صدرہ بعض الشک وان ینطوی منھا علی شیٔ اذا ھو قد کان نشأ بعد زمن الدعوۃ وبعد ان اجتمع العرب علی کلمۃ واحدۃ فلا یلبث ان یجری ذلک الاختلاف مجری مثلہ من سائر الکلام فیری بعضہ خیرا من بعضہ ویظن منہ الصریح والمدخول والعالی والنازل والافصح والفصیح واشباہ ذلک ویعتد ما یراہ فی القرآن من القرآن وھذا امر ان ھو استفاض فیھم ثم مردوا علیہ خرجوا منہ ولا ریب الی المناقضۃ والملاحاۃ والی ان یرد بعضھم علی بعض ھذا یقول قراءتی وما اخذت بہ وذلک یقول بل قراءتی وما انا علیہ ولیس من وراء ھذا اللجاج الا التکفیر والتأثیم ولا جرم انھا الفتنۃ لا تفتأ بعد ذلک من دم قراءت کے اصول جن پر وہ لوگ قرآن کو پڑھا کرتے تھے مختلف تھے اُن حروف کے اختلاف کی بنا پر کہ جن پر قرآن نازل ہوا تھا تو جب یہ مختلف صورتوں پر قرآن

کو جاننے والے کسی مجلس میں جمع ہوتے یا میدان جنگ میں یک جا ہوتے تھے اور دیکھنے والا اُن کے اختلافات کو قرآن مجید کی آیات میں دیکھتا تھا تو اُسے تعجب ہوتا تھا کہ یہ سب الفاظ باوجود اپنے اختلاف کے ایک ہی کلام میں کیونکر صحیح ہوسکتے ہیں، اس کے ساتھ جب اُسے معلوم ہوتا تھا کہ یہ سب قراءتیں رسالت مآبؐ کی طرف استناد رکھتی ہیں اور حضرت نے اُن کے متعلق اجازت دی ہے تو یقیناً موقع تھا کہ اُس کے سینہ میں شک و شبہہ کسی حد تک خراش پیدا کرے اور کچھ نہ کچھ دل میں آئے اس لیے کہ اس شخص کی نشو و نما ایسے وقت پر ہوی تھی کہ جب ابتدائے دعوت اسلام کو طویل زمانہ گذر چکا ہے اور تمام قبائل عرب ایک کلمہ پر جمع ہو چکے ہیں۔ اس کا قریبی نتیجہ یہ تھا کہ وہ اس اختلاف کو قرآن کے علاوہ دوسری کتابوں کے اختلاف نسخ کی صورت سے قرار دے کر اُن میں محاکمہ پر تیار ہو جاتا کہ یہ اُس سے بہتر ہے اور یہ صریح ہے وہ مدخول، یہ عالی ہے اور وہ پست، یہ افصح ہے اور وہ فصیح اور اس طرح اپنے ذاتی خیالات کو قرآن میں داخل کر دیتا۔ یہ ایسا امر تھا کہ اگر اس کو زیادتی ہوتی اور لوگوں کو اس کا چسکا لگتا تو یقیناً نتیجہ میں باہمی مناقشہ و منازعہ اور نقض و رد تک نوبت پہونچتی، یہ کہتا کہ میری قراءت اور میرا انتخاب بہتر ہے، وہ کہتا کہ نہیں بلکہ میری قراءت اور میرا مسلک بہتر ہے اور اس اختلاف کے آخر میں سوا اس کے کہ ایک دوسرے پر کفر کا حکم لگائے اور گنہ گار بتلائے کوئی اثر مرتب نہ ہوتا اور یقیناً یہ ایک ایسا فتنہ تھا جس کی انتہا آخر میں خونریزی تک ہوناناگزیر تھی۔"

حضرت عثمان کو اس امر کی طرف خاص طور سے توجہ ہوی خصوصاً اُس وقت

کہ جب حذیفہ بن الیمان ارمینیہ و آذربائی جان کی فتح کے سلسلہ میں جنگ پر گئے اور وہاں سے واپس آکر اُنھوں نے بڑی اہمیت کے ساتھ لوگوں کے اختلافات کا تذکرہ کیا اور کہا کہ جلد خبر لیجئے نہیں تو اُمّت اسلامیہ یہود و نصاریٰ کی طرح کتاب خدا میں مختلف ہو جائے گی، حضرت عثمان کو اس کے سوا کوئی تدبیر نظر نہ آئی کہ حضرت رسولؐ کی اجازت کو منسوخ کرتے ہوئے تمام لوگوں کو ایک ہی قرات کا پابند بنا دیں اور چھ قراتوں کو جن کے ساتھ پڑھنے کی اب تک اجازت تھی جرم قرار دیں چنانچہ اس غرض کے لیے اُنھوں نے اُس قرآن کو جو حضرت ابو بکر کے زمانہ میں زید بن ثابت کے ہاتھوں جمع ہو چکا تھا حفصہ بنت عمر کے پاس سے منگوا بھیجا اور طے پایا کہ اُسی کے موافق نسخے لکھوا کر تمام ممالک میں منتشر کیے جائیں اور اس کے سوا جتنے نسخے قرآن کے مجتمع یا غیر مجتمع صورت میں مختلف صحابہ کے پاس پائے جاتے ہیں اُن کو نذر آتش کر دیا جائے اور اس امر کی احتیاط کے لیے کہ اِن نقل شدہ نسخ کو کوئی اختلاف پہلے نسخہ کے ساتھ نہ ہو اور یہ کہ خود اُس نسخہ پر نظر ثانی بھی ہو جائے پھر زید بن ثابت کو منتخب کیا گیا اور اُن کے ساتھ عبداللہ بن زبیر و سعید بن العاص و عبدالرحمان بن حارث بن ہشام مخزومی کو معاون کے طور پر اُن کا شریک بنایا گیا۔

اس واقعہ کا تذکرہ صحیح بخاری میں حسب ذیل الفاظ میں موجود ہے۔

حدثنا موسیٰ قال حدثنا ابراھیم قال حدثنا ابن شھاب ان انس بن مالک حدثه ان حذیفة بن الیمان قدم علی عثمان وکان یغازی اھل الشام فی فتح ارمینیة واذربیجان مع اھل العراق فافزع حذیفة اختلافھم فی القراءة فقال حذیفة لعثمان یا امیرالمومنین ادرک

هذه الامة قبل ان یختلفوا فی الکتاب اختلاف الیهود والنصاری فارسل عثمان الی حفصة ان ارسلی الینا بالصحف ننسخها فی المصاحف ثم نردها الیک فارسلت بها حفصة الی عثمان فامر زید بن ثابت وعبد الله بن الزبیر وسعید بن العاص وعبد الرحمن بن الحارث بن هشام فنسخوها فی المصاحف وقال عثمان للرهط القرشیین الثلثة اذا اختلفتم انتم وزید بن ثابت فی شیئ من القرآن فاکتبوه بلسان قریش فانما نزل بلسانهم ففعلوا حتی اذا نسخوا الصحف فی المصاحف رد عثمان الصحف الی حفصة وارسل الی کل افق بمصحف مما نسخوا وامر بما سواه من القرآن فی کل صحیفة او مصحف ان یحرق۔

انس بن مالک کا بیان ہے کہ حذیفہ بن یمان حضرت عثمان کے پاس آئے اور اس کے قبل وہ آرمینیہ و آذربائیجان کی فتح کے سلسلہ میں اہل شام و عراق کے ساتھ جنگ میں شریک تھے اور اس دوران میں جو اختلافات انھوں نے قراءت قرآن میں دیکھے اُن سے پریشان ہو گئے تھے اس لیے انھوں نے حضرت عثمان سے کہا کہ اے فرمان روائے مسلمین اس اُمت کی خبر لیجیے قبل اس کے کہ ان میں کتاب خدا کے بارے میں ویسا اختلاف پیدا ہو جیسا کہ یہود و نصاریٰ کے اندر ہے یہ سن کر حضرت عثمان نے حفصہ کے پاس آدمی بھیجا کہ وہ قرآن کے اجزاء جو آپ کے پاس ہیں بھیج دیجیے ہم اس کو مجموعی حیثیت سے مصحف کی صورت میں نقل کرا کے واپس کر دیں گے، حفصہ نے اُن اجزاء کو عثمان کے پاس بھیج دیا۔ انھوں نے زید بن ثابت اور عبد اللہ بن زبیر اور سعید بن عاص اور عبد الرحمن بن حارث بن ہشام کو حکم دیا

اور اُنھوں نے اُن کو مصاحف کی صورت میں نقل کیا اور عثمان نے اُن تینوں قرشی آدمیوں کو حکم دیا تھا کہ جب تم میں اور زید بن ثابت میں کسی لفظ کے متعلق اختلاف ہو تو اُس کو قریش کے محاورہ پر لکھنا کیونکہ قرآن کا اصلی نزول قریش کی زبان میں ہے چنانچہ ایسا ہی کیا گیا یہاں تک کہ جب اُن اجزا کی نقل مصحف کی صورت میں ہو گئی تو وہ اجزاء حفصہ کے پاس واپس کیے گئے اور اطراف و جوانب میں سے ہر ملک میں ایک نسخہ اُس کا بھیجدیا گیا اور جتنے قرآن کے نسخے اس کے علاوہ متفرق اجزاء یا مجتمع کتاب کی صورت میں تھے اُن کے متعلق حکم ہوا کہ وہ آگ میں جلا دیئے جائیں"

(بخاری کرزن پریس دہلی ص۷۴۶)

حدیث مذکور سے صاف ظاہر ہے کہ جمع قرآن کے سلسلہ میں حضرت عثمان نے خود کاوش و کاہش کی ضرورت نہیں سمجھی تھی بلکہ اُنھوں نے اُسی جمع و تالیف پر اعتماد کیا جو حضرت ابوبکر کے حکم سے عمل میں آچکی تھی بے شک اس اطمینان حاصل کرنے کے لیے کہ موجودہ نسخے اُس کے مطابق رہیں تصحیح و تنقیح کا کام اُنہی زید بن ثابت کے سپرد کیا گیا جو پہلی تالیف کے ذمّہ دار تھے اور چونکہ منظور یہ تھا کہ قرآن کی جو مختلف قراءتیں ہو گئی ہیں اُن کا قلع قمع ہو کر ایک قراءت پر اتفاق حاصل ہو اس لیے اُن الفاظ کی تعیین کے لیے جن کا طریقہ اداء اور رسم الخط مختلف ہے اور اس اعتبار سے اُن میں اختلاف کی گنجائش ہے تین قرشی آدمیوں کو اُن کا شریک کار قرار دیا گیا لیکن یہ دیکھ کر بڑی حیرت ہوتی ہے کہ باوجود اس اہتمام و انتظام کے جو سابقہ مرتبہ جمع قرآن میں ہو چکا تھا اب کی جو نقل کے سلسلہ میں زید بن

ثابت نے مراجعہ کیا تو خود اُن کو اُس قرآن میں بعض آیات کی فروگذاشت نظر آئی جنھیں پھر تحقیق کے بعد اضافہ کی ضرورت محسوس ہوئی چنانچہ بخاری میں حدیث مذکورہ بالا کے بعد ہی لکھا ہے۔

قال ابن شہاب واخبرنی خارجۃ بن زید بن ثابت سمع زید بن ثابت قال فقدت اٰیۃ من الاحزاب حین نسخنا المصحف قد کنت اسمع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقرأھا فالتمسناھا فوجدناھا مع خزیمۃ بن ثابت الانصاری من المومنین رجال صدقوا ما عاھدوا اللہ علیہ فالحقناھا فی سورتھا فی المصحف۔

ابن شہاب نے زید بن ثابت کے صاحبزادے سے خود زید بن ثابت کا بیان نقل کیا ہے کہ وہ کہتے تھے جب میں مصحف کے لکھنے میں مصروف تھا تو ایک آیت سورۂ احزاب میں کی جس کو میں رسالت مآبؐ کو پڑھتے ہوئے سُنا کرتا تھا نہ ملی ہم نے اُس کو ڈھونڈھنا شروع کیا تو وہ خزیمہ بن ثابت انصاری کے پاس دستیاب ہوئی من المومنین رجال صدقوا ما عاھدوا اللہ علیہ چنانچہ ہم نے اُس کو اُس کے سورہ کے آخر میں مصحف کے اندر درج کر دیا۔

معلوم ہوتا ہے کہ زید بن ثابت کو آیت پوری یاد نہ تھی ورنہ انھیں اُس کے ڈھونڈھنے کی ضرورت نہ تھی بلکہ کچھ کچھ اُس کی لفظیں یاد آتی تھیں کہ حضرت ایک اس قسم کی آیت سورۂ احزاب میں پڑھا کرتے تھے اور اب وہ دستیاب نہیں ہوتی اسی بنا پر انھوں نے اُس کو تلاش کرنا شروع کیا جس میں وہ خزیمہ بن ثابت کے پاس کامیاب ہوئے۔

کون کہہ سکتا ہے کہ پہلی مرتبہ جمع قرآن بالکل بے توجہی و کم التفاتی کے ساتھ ہوا تھا اور مقابلہ و تکرار نظر کی نوبت نہ آئی تھی، یقیناً کتنی مرتبہ مقابلہ اور کس کس طرح تکرار نظر کی گئی ہو گی جب یہ اعتماد حاصل ہوا کہ قرآن مجید جمع ہو گیا لیکن پندرہ برس کے بعد جب حضرت عثمان کے دور میں نظر کی نوبت آئی تو ایک آیت کم معلوم ہوئی پھر اس مرتبہ کے جمع و تالیف میں کیا ضمانت ہو سکتی ہے کہ کسی قسم کی کوئی آیت نہیں رہ گئی۔

پھر الفاظ قرآن میں بھی معلوم ہوتا ہے کہ کچھ خامیاں رہ گئیں تھیں جن کی اصلاح اس مرتبہ کی گئی جیسا کہ ابن فارس نے ہانی سے نقل کیا ہے کنت عند عثمان رضی اللہ تعؓ عنہ وھم یعرضون المصاحف فارسلنی بکتف شاۃ الی ابی بن کعب فیھا "لم تیسن" و "فامھل الکافرین" و "لاتبدیل للخلق" قال فدعا بالدواۃ فمحا احدی اللامین و کتب "لخلق اللہ" ومحا فامھل کتب "فمھّل" وکتب یتسنہ الحق فیھا ھاء او القراءۃ علی ھذا الرسم" میں حضرت عثمان کے پاس تھا جس وقت مصاحف کا مقابلہ ہو رہا تھا، انھوں نے مجھ کو ایک بکری کا شانہ دے کر ابی بن کعب کے پاس بھیجا جس پر لکھا تھا لم یتسن اور فامھل الکافرین اور لاتبدیل للخلق ابی بن کعب نے دوات منگوائی اور للخلق کی لفظ میں ایک لام چھیل کر لخلق اللہ بنا دیا اور فامھل کو چھیل کر فمھّل بنا دیا اور لم یتسنّ میں ہ ملا کر لم یتسنہ کر دیا اور اب اسی صورت پر پڑھا جاتا ہے" (اعجاز القرآن رافعی ص ۴۹)

اب اس کو جانے دیجیے کہ زید بن ثابت صاحب عرضۂ اخیرہ سے آخر ان الفاظ میں غلطی کیوں ہوئی تھی اور پھر کیا یہ شبہ پیدا نہیں ہوتا کہ کسی اور لفظ میں بھی ایسی غلطی ہو۔ لیکن اتنا سوال غالباً حق بجانب سمجھا جائیگا کہ مذکورہ صورت حال میں لا تبدیل لخلق اللہ اور اُس کے ساتھ والی دونوں لفظیں کیا صرف ابی بن کعب کی تجویز کا نتیجہ نہیں ہیں اور پھر کیا اُن کا تواتر باقی رہا ہے۔؟

حافظ طبری کی روایت ہے انس بن مالک سے قال کنت فی من یملی علیھم قال فربما اختلفوا فی الآیۃ فیذکرون الرجل قد تلقاھا من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولعلہ ان یکون غائبا او فی بعض البوادی فیکتبون ما قبلھا وما بعدھا ویدعون موضعھا حتی یجیئ او یرسل الیہ۔

انس کا بیان ہے کہ میں بھی اُن لوگوں میں سے تھا جو قرآن مجید کے لکھوانے میں شریک تھے اکثر ایک آیت میں اختلاف ہوتا تھا اور پتہ دیا جاتا تھا کسی ایسے شخص کا جس نے اپنے کانوں سے اُس کو رسالت مآبؐ سے سُنا ہے اور ایسا بھی ہوتا تھا کہ وہ موجود نہیں ہے یا دیہات گیا ہوا ہے تو اس صورت میں اُس آیت کے قبل اور بعد کی آیتوں کو لکھ لیتے اور اُس آیت کی جگہ چھوڑ دیتے یہاں تک کہ وہ واپس آئے یا اُس کے پاس کسی کو بھیج کر دریافت کرایا جائے

جامع البیان ص۲۱ ج۱

اس سے بے شک عرق ریزی و جانفشانی کا پتہ چلتا ہے لیکن نتیجہ میں

اُس آیت کا درج کرنا ایک شخص کی واقفیت کا نتیجہ ہوا یا نہیں۔

یہ سوال گذشتہ جمع قرآن اور موجودہ تصحیح و تنقیح دونوں موقعوں کے متعلق بہت اہم ہے کہ آخر زید بن ثابت کو بڑے بڑے صحابہ کی موجودگی میں جمع قرآن کے لیے منتخب کرنے کی کیا وجہ تھی؟ اور اُن میں کون سا امتیاز تھا کہ ابی ابن کعب اور عبداللہ بن مسعود ایسی ہستیوں کے مقابلہ میں اُن کے جمع کردہ قرآن کا اعتبار کیا جائے؟

اس کے متعلق علمائے اہلسنّت نے بڑی کاوش کے ساتھ یہ وجہ نکالی ہے کہ حضرت جبرئیلؑ جنابِ رسالت مآبؐ کے ساتھ ہر سال قرآن کا مقابلہ کیا کرتے تھے اور اُس میں ہر مرتبہ کچھ آیات منسوخ اور کچھ متغیر اور کچھ اپنی جگہ سے دوسری جگہ ادل بدل کر دیئے جاتے تھے اور آخری مرتبہ اُس سال کہ جب جنابِ رسالت مآبؐ کا انتقال ہونے والا تھا۔ اُنھوں نے دو مرتبہ آکر قرآن کا مقابلہ کیا اور زید بن ثابت نے اسی سال قرآن کی تعلیم حاصل کی تھی لہٰذا وہ اُس مقابلہ کے نتیجہ پر مطلع تھے جو اس سال ہوا تھا اور اس لیے اُن کی جمع و ترتیب بالکل اُس جمع و ترتیب کے موافق تھی جس پر رسالت مآبؐ کا اپنی زندگی کے آخری دور میں عمل درآمد رہا اور جس طرح وہ اپنے آخری وقت تک قرآن کی تلاوت فرماتے تھے بخلاف ابی بن کعب اور ابن مسعود وغیرہ دیگر صحابہ کے کیونکہ ابن مسعود نے مکہ میں قرآن حفظ کیا تھا اور وہیں رسالت مآبؐ کو پڑھ کر سنایا تھا اور ابی بن کعب نے ہجرت کے بعد اور اُسی زمانہ میں رسالت مآبؐ کو سنایا تھا۔

(ملاحظہ ہو اعجاز القرآن صـ ۳۶-۳۷)

لیکن جہاں تک غور کیا جاتا ہے یہ توجیہ صرف خوش عقیدگی کا نتیجہ اور دل کو تسکین دے لینے کا ذریعہ ہے اور مستند احادیث و واقعات کی بنا پر اُس کا کوئی وزن معلوم نہیں ہوتا اس لیے کہ اُس موقع پر جب حضرت ابو بکر نے جمع قرآن کا کام زید بن ثابت کے سپرد کیا ہے اور اُن کو بلا کر اس امر پر مامور فرمایا ہے تو جو وجوہ ترجیح اُن کے لیے بتلائے گئے وہ اس سے بالکل مختلف ہیں۔

اُس وقت جو کچھ بھی ارشاد ہوا تھا وہ یہ کہ انک شاب عاقل لا نتھمک وقد کنت تکتب الوحی لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" تم نوعمر عقلمند آدمی ہو تم پر ہم کو اطمینان ہے اور تم رسالت مآبؐ کے پاس کاتب وحی بھی رہ چکے ہو۔

بھلا اگر زید بن ثابت کے لیے ایک اتنی بڑی خصوصیت حاصل ہوتی کہ وہ عرضہ اخیرہ (آخری مقابلہ قرآن) میں موجود تھے تو اُس موقع پر اس کا تذکرہ نہ کیا جاتا اور یہ نہ کہا جاتا کہ تم عرضۂ اخیرہ میں موجود تھے۔

یہی امتیاز وہ ہوتا جو مقام ترجیح میں اُن کے اختصاص کا ضامن ہوتا اُس کو چھوڑ کر یہ کہنے کا کون سا موقع تھا کہ تم نوعمر ہو ؟ کیا نوعمر ہونا اتنی بڑی ذمہ داری کے استحقاق کی ضمانت ہے ؟

یہ ایک باریک مسئلہ ہے کہ منصب خلافت کے لیے تو سن رسیدہ ہونا وجہ ترجیح سمجھا جائے اور جمع قرآن کے موقع پر جوان سال ہونا اختصاص کی دلیل رہ گئی عقل اس سے غالباً دوسرے صحابہ بھی محروم نہ تھے" ہم تم کو متہم (نا قابل اعتماد) نہیں سمجھتے" یعنی کیا دوسرے صحابہ جتنے ہیں وہ متہم اور نا قابل

اعتماد ہیں ؟ پھر آخر احکام شرعیہ تو عام مسلمانوں کو انہی صحابہ کے ذریعہ سے پہونچے ہیں۔ اُن تمام احکام کا حشر کیا ہوگا ؟ کاتب وحی ہونے کی فضیلت بھی مخصوص نہیں بلکہ بہت سے صحابہ اُس میں شرکت کے دعویدار ہو جائیں گے۔

پھر حضرت ابو بکر کا یہ فرمانا فتتبع القرآن فاجمعہ "قرآن کو ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر جمع کر دو" یہ صاف اس امر کی دلیل ہے کہ زید بن ثابت کو قرآن مجید حفظ نہ تھا اور نہ وہ اُس ترتیب پر مطلع تھے جس پر آخری مرتبہ عرض قرآن ہوا تھا ورنہ اُن کو تتبع کے بعد جمع کا حکم نہ ہوتا بلکہ یہ کہا جاتا کہ اسی صورت پر جو تمہارے سینہ میں موجود ہے قرآن جمع کر دو۔

اور پھر زید بن ثابت نے جو صورت جمع کی بتلائی ہے فتتبعت القرآن اجمعہ من العسب واللخاف وصدور الرجال "میں نے قرآن کو ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر درخت کی چھالوں اور پتھروں کے ٹکڑوں اور مختلف اشخاص کے محفوظات سے جمع کیا" یہ بھی صریحی دلیل ہے کہ وہ حافظ قرآن نہ تھے۔ باوجود زید بن ثابت کے اس اعتراف کے جو صحیح بخاری ایسی کتاب میں موجود ہے کیا سادہ لوحی نہیں ہے کہ اُن کو حافظ قرآن اور صاحب عرضۂ اخیرہ ہونے کی وجہ سے جمع قرآن کا حقدار سمجھا جائے۔

یہ کہنا کہ ابن مسعود نے مکہ معظمہ میں قرآن حفظ کیا تھا اور رسالت مآب کو پڑھ کر سُنایا تھا اور ابی بن کعب نے ہجرت کے بعد مدینہ میں جیسا کہ علامہ رافعی نے تحریر کیا ہے عجیب چیز ہے۔

اے حضرت مکہ میں قرآن پورا نازل ہی کب ہوا تھا جو ابن مسعود

وہاں حفظ کرتے اور رسالت مآبؐ کو سناتے اور اسی طرح مدینہ کے ابتدائی دور میں پورا قرآن کہاں موجود تھا۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ انھوں نے مکہ میں جتنا قرآن نازل ہوا تھا وہ مکہ میں یاد کیا اور پڑھ کر سنایا ہو اور پھر رسالت مآبؐ کے آخر زمانۂ حیات تک جتنا جتنا نازل ہوتا گیا اتنا اتنا یاد کر کے سناتے گئے اس طرح خدمت رسولؐ میں ان کے انتہائی تعلیم پانے کا زمانہ عرضۂ اخیرہ تک پہونچتا ہے اور اس موقع پر جو کچھ تغیر و تبدل ہوا ہوگا وہ حضرت کی جانب سے عبد اللہ بن مسعود و ابی بن کعب کو بھی خاص طور پر بتلایا گیا ہوگا خصوصاً جبکہ حضرت کی توجہ ان دونوں صحابیوں کو تعلیم قرآن دینے کے متعلق خاص طور سے مبذول تھی یہاں تک کہ ابی بن کعب کے متعلق حضرت نے یہاں تک فرمایا کہ امرت ان اقرأ علیك القرآن "مجھ کو خدا کا حکم ہوا ہے کہ میں تمھیں قرآن پڑھ کر سناؤں" اور بعض روایات میں ہے اعرض علیك القرآن اور اس بنا پر حضرت نے تمام صحابۂ کرام میں ان کو مخصوص امتیاز دے کر فرمایا:- اقرؤ امتی ابیّ "میری امت میں سب سے بہتر حافظ قرآن ابی ہیں" اور خود حضرت عمر کی یہ روایت متعدد طرق سے نقل ہوئی ہے کہ اقضانا علی و اقرأنا ابیّ "ہم میں سب سے بہتر قاضی علی ہیں اور سب سے بہتر حافظ قرآن ابی ہیں" (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو استیعاب ابن عبد البر بر حاشیہ اصابہ مطبوعہ مصر ج ۱ صـ ۴۸)

اور عبد اللہ بن مسعود کے متعلق حضرت کا ارشاد تھا من سرہ ان یقرأ القرآن غضًّا کما انزل فلیقرأ علی ابن ام عبد "جو شخص چاہتا ہو کہ

maablib.org

قرآن مجید کی بالکل تروتازہ صورت پرجس طرح نازل ہوا ہے تعلیم حاصل کرے تو وہ اُس کو ابن مسعود سے پڑھے۔ اِس روایت کی حافظ نسائی نے حضرت عمر سے تخریج کی ہے اور حافظ ابن حجر نے اصابہ ج ۳ صـ ۲۷۴ اور ابن عبد البر نے استیعاب مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدر آباد ج ۱ صـ ۳۷۱ اور ابن اثیر جزری نے اسد الغابہ ج ۴ صـ ۹۶ میں اس کو درج کیا ہے اور پھر اُن صحابہ میں کہ جن سے قرآن کی تعلیم حاصل کرنے کا رسالت مآبؐ نے حکم دیا عبد اللہ بن مسعود کا پہلا نمبر ہے چنانچہ عبد اللہ بن عمر راوی ہیں کہ سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول خذوا القرآن من اربعۃ من ابن ام عبد فبدأ بہ ومعاذ بن جبل وابی بن کعب وسالم مولی ابی حذیفۃ" میں نے رسالت مآبؐ کو فرماتے سُنا کہ قرآن کی تعلیم چار آدمیوں سے حاصل کرو اور اُن میں سب سے پہلے ابن مسعود کا نام لیا۔

یہ حقیقت ناقابل انکار ہے کہ ان صحابہ میں کہیں زید بن ثابت کا نام نہیں اور نہ حضرت رسول اکرمؐ نے حافظ قرآن ہونے کی حیثیت سے کبھی اُن کی تعریف کی بے شک ان کی مدح میں جو فقرہ ائمہ حدیث نے نقل کیا ہے وہ یہ ہے کہ افرضکم زید بن ثابت "تم میں علم میراث کے جاننے والے سب سے زیادہ زید بن ثابت ہیں" لیکن اس کو حفظ قرآن سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

اور پھر ترجمان القرآن عبد اللہ بن عباس نے تو مذکورۂ بالا خیال کا تار پود بکھیر کر حقیقت کو بالکل واضح کر دیا ہے، اُن کا بیان ہے کہ عرضۂ اخیرہ میں حاضر ہونے والے عبد اللہ بن مسعود تھے نہ زید بن ثابت چنانچہ ہم اس روایت کو استیعاب ابن عبد البر سے نقل کرتے ہیں۔

روی وکیع وجماعۃ معہ عن الاعمش عن ابی ظبیان قال قال لی عبداللہ بن عباس ای القراءتین تقرأ قلت القراءۃ الاولی قرآءۃ ابن ام عبد فقال لی اجل ھی الاخرۃ ان رسول اللہ کان یعرض القرآن علی جبرئیل فی کل عام مرۃ فاما کان العام الذی قبض فیہ رسول اللہ عرضہ علیہ مرتین فحضر ذلک عبداللہ فعلم مانسخ من ذلک وبدّل (مطبوعہ حیدرآباد ج ۱ ص ۳۷۲)

"وکیع اور ایک جماعت نے اعمش کی زبانی ابوظبیان سے نقل کیا ہے کہ مجھ سے عبداللہ بن عباس نے کہا تم کس قرارت کے ساتھ قرآن پڑھتے ہو، میں نے کہا سب سے مقدم یعنی ابن مسعود کی قرارت انھوں نے کہا ہاں اور وہی سب سے آخری بھی ہے جناب رسالت مآبؐ جبرئیل کے ساتھ ہر سال ایک مرتبہ قرآن کا مقابلہ کرتے تھے لیکن جس سال حضرت کا انتقال ہوا تو دو مرتبہ قرآن کو پیش کیا گیا۔ اس موقع پر عبداللہ موجود تھے اور جو کچھ تغیر و تبدل ہوا سب پر مطلع ہوئے۔"

اسی کے مطابق حافظ جلال الدین سیوطی نے درمنثور میں حسب ذیل روایات نقل کیے ہیں۔

(۱) اخرج ابن الانباری عن مجاھد قال قال لنا ابن عباس ای القراءتین تعدّون اوّل قلنا قراءۃ عبداللہ قال فان رسول اللہ کان یعرض القرآن علی جبرئیل مرۃ وانہ عرضہ علیہ فی اخر سنۃ مرتین فقراءۃ عبداللہ اخر۔

"ابن انباری نے مجاہد سے نقل کیا ہے کہ ہم سے ابن عباس نے کہا تم لوگ

دونوں قراتوں میں سے کس کو اول شمار کرتے ہو۔"

ہم نے کہا ابن مسعود کی قرات کو فرمایا رسالت مآبؐ قرآن کا جبرئیل کے ساتھ ایک مرتبہ مقابلہ کرتے تھے اور اپنی زندگی کے آخری سال آپ نے دو مرتبہ اُن کے ساتھ مقابلہ کیا تو عبداللہ کی قرات سب سے آخری تھی۔"

(۲) اخرج ابن الانباری عن ابن مسعود قال کان جبرئیل یعارض النبیؐ بالقرآن فی کل سنة مرة وانه عارضه بالقرآن فی آخر سنته مرتین فاخذته من النبیؐ ذالک العام۔

ابن مسعود کا خود بیان ہے کہ جبریل ہر سال قرآن کا ایک مرتبہ رسالت مآبؐ سے مقابلہ کراتے تھے اور انھوں نے آخری سال دو مرتبہ مقابلہ کیا اور میں نے اس سال قرآن کو جناب رسالت مآبؐ سے اخذ کیا ہے۔"

(۳) عن ابن مسعود قال لو اعلم احداً احدث بالعرضة الاخیرة منی لرحلت الیه۔

"ابن مسعود کہتے تھے کہ اگر میں جانتا کوئی صحابی عرضہ اخیرہ میں میرے بعد حاضر ہوا ہے تو میں ضرور اُس کے پاس قرآن کی تعلیم حاصل کرنے کو جاتا۔"

حافظ ابن جریر طبری نے اپنی تفسیر جامع البیان میں بھی ابن مسعود کی ایک تقریر نقل کی ہے جس میں وہ کہتے ہیں

لو اعلم احداً اعلم بما انزل الله علی رسوله منی لطلبته حتی ازداد علمه الی علمی ولقد قرأت من لسان رسول الله صلی الله علیه وسلم سبعین سورة وقد کنت علمت انه یعرض علیه القرآن فی کل رمضان حتی

کان عام قبض فعرض علیہ مرتین فکان اذا فرغ اقرأ علیہ فیخبر نی انی محسن۔ اگر مجھے معلوم ہوتا کہ کوئی شخص کتاب خدا پر مجھ سے زیادہ مطلع ہے تو میں جستجو کرکے اُس کے پاس پہونچتا اور اُس کے علم سے اپنے معلومات میں اضافہ کرتا میں نے خود رسالت مآبؐ کی زبان سے ستر سوروں کی تعلیم حاصل کی ہے اور مجھے یہ معلوم تھا کہ قرآن کا ہر سال ماہ رمضان میں حضرت کے ساتھ مقابلہ کرایا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ حضرت کی وفات والے سال میں دو مرتبہ مقابلہ کیا گیا اور ہر مرتبہ حضرت فارغ ہوتے تھے تو میں حضرت کو قرآن پڑھ کر سُناتا تھا اور حضرت فرماتے تھے کہ ہاں ٹھیک ہے۔

(جامع البیان طبع مصر ج ۱ ص ۱۱)

اب ان روایات کی موجودگی میں اس خیال کا کیا وزن باقی رہ سکتا ہے کہ عرضۂ اخیرہ میں شریک ہونے والے زید بن ثابت تھے اور پھر جبکہ وہ کسی روایت کی طرف مستند نہیں ہے بلکہ لوگوں کا ذاتی خیال ہے جس کو ابن سیرین نے عرضۂ اخیرہ کی کیفیت کے بعد اس طرح بیان کیا ہے کہ۔

فیرون ان تکون قراءتنا ھذہ علی العرضۃ الاخیرۃ

لوگوں کا خیال یہ ہے کہ ہماری موجودہ قراءت اسی عرضۂ اخیرہ کے مطابق ہے (در منثور ج ۱ ص ۱۰۶)

کوئی بتلائے کہ مذکورہ صورت حال میں آخر زید بن ثابت کے جمع کردہ قرآن پر تمام دوسرے صحابہ کی مخالفت کے باوجود اعتماد کی کیا وجہ ہے؟ اور پھر اعتماد بھی ایسا کہ جتنے قرآن دوسرے صحابہ کرام کے تھے وہ صفحۂ دنیا سے معدوم کردیئے

جائیں اور اُن کو آگ کے اُٹھتے ہوئے شعلوں کی نذر ہونا پڑے۔

خیر ابھی تک واقعات کا سلسلہ یہاں تک پہونچا کہ حضرت عثمان نے اُسی قرآن کے اجزار کو جو حضرت ابوبکر کے زمانہ میں جمع کیے گئے تھے حفصہ کے پاس سے منگاکر نقل کرالیا تھا اور وہ مقابلہ کے بعد حفصہ کو واپس کر دیئے گئے اور اس طرح وہ نسخۂ اصل اور یہ تمام اُس کے نقول تھے جو مختلف بلاد کی جانب روانہ کیے گئے۔

لیکن اس کے بعد واقعہ کی نیرنگی زیادہ اور دیکھنے والے کی حیرانی میں اضافہ ہو جاتا ہے جبکہ ہم دیکھتے ہیں کہ حفصہ بنت عمر کے انتقال کے بعد حضرت عثمان نے وہ اجزائے قرآن جو اُن کے پاس موجود تھے عبداللہ بن عمر سے بڑے اصرار کے ساتھ منگوا کر انھیں پانی سے دُھلوا ڈالا۔ اس واقعہ کا تذکرہ کتاب التعریف بالنبی والقرآن الشریف" مطبوعہ مصر ص۸۷ میں حسب ذیل الفاظ میں موجود ہے۔

فکتبوا المصحف واستعرضوہ عرضۃ بعد اخری فلما لم یجد وا شیئا ارسل عثمان الی ام المومنین حفصۃ یسألھا ان ترسل الیہ الصحف بعوض المصحف علیھا وحلف لھا لیردّنّھا الیھا بعد مقابلۃ المصحف بھا فاعطتہ ایاھا فعرض علیھا المصحف فلم یختلفا فی شئی فردھا الیھا و طابت نفسہ بما فعل وامر الناس ان یکتبوا مصاحف فلما ماتت حفصۃ ارسل عثمان الی عبد اللہ بن عمر یطلب الصحف منہ وشدّد فی طلبھا فاعطاہ عبد اللہ ایاھا فغسلھا غسلا۔

"ان صحابہ نے مصحف کو لکھا اور چند مرتبہ اُس پر نظر کی گئی جب کوئی غلطی نہ ملی تو عثمان نے ام المومنین حفصہ کے پاس کہلوا بھیجا کہ وہ اجزائے قرآن بھیج دیجیے

تاکہ مصحف کا مقابلہ اُن کے ساتھ ہو جائے اور قسم کھائی کہ میں مقابلہ کے بعد واپس کر دوں گا چنانچہ حفصہ نے اُن کو بھیج دیا اور مصحف کا اُن سے مقابلہ کیا گیا تو ذرا سا بھی اختلاف دونوں میں نہ نکلا۔ اُس وقت حضرت عثمان کو اطمینان حاصل ہوا اور لوگوں کو حکم دیا کہ وہ اس مصحف کے نقول تحریر کریں جب حفصہ کا انتقال ہوا تو حضرت عثمان نے عبداللہ بن عمر کے پاس آدمی بھیجا کہ وہ اُن اجزاء کو بھیج دیں اور بڑی سختی کے ساتھ اُن سے مطالبہ کیا اُس وقت اُنھوں نے (مجبور ہو کر) وہ اجزاء بھیج دیئے اور حضرت عثمان نے پانی سے اُن کو دھلوا ڈالا۔"

نیز اس واقعہ کا تذکرہ حافظ محمد بن جریر طبری کی تفسیر جامع البیان میں بھی موجود ہے (ج ۱ ص ۲۱)

دنیائے علم و تمدن کی سیر کیجئے شرق و غرب کے علمی اداروں پر نظر کیجئے اور علم دوست و علم پرور اقوام کی جد و جہد کا جائزہ لیجئے، آپ کو اندازہ ہوگا کہ کسی کتاب کے اصلی نسخہ کی کتنی قدر و قیمت ہے اور اس کا وجود اُس کے شائع شدہ نقول کے اعتبار میں کتنی بڑی اہمیت رکھتا ہے؟

ہزاروں لاکھوں روپیہ صرف کر کے مصنفین کے ہاتھ کی لکھی ہوئی تحریریں یا اُس زمانہ کے نقل شدہ نسخے یا قدیم سے قدیم کتبے حاصل کرنا اور اُن کو انتہائی اہتمام و انتظام کے ساتھ محفوظ رکھنا اسی غرض کے لیے ہے۔

کتاب کے قدیمی نسخہ کا جو کہیں دستیاب ہو گیا ہے فوٹو چھاپ کر شائع کرنا جو اب مطابع یورپ و جرمن اور اُن کی تقلید میں مصر و بیروت کا طرۂ امتیاز بنا ہوا ہے اسی لیے ہے کہ اُس میں کسی قسم کے تصرف و تغیر کے احتمال کا سدباب ہو جائے

کیا اس کے برخلاف کوشش کے ساتھ نسخۂ اصل کو حاصل کر کے تلف کر دینا اور اس کو دُنیا کی نظروں سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اوجھل بنا دینا کسی صحیح فلسفہ پر مبنی سمجھا جا سکتا ہے؟ کیا اس وجہ سے قرآن مجید کے متعلق طرح طرح کے شبہے پیدا کیے جانے کا امکان نہیں ہو گیا اور اس کے سند و اعتبار کو صدمہ نہیں پہونچا؟!

اور پھر اُس پر طرہ یہ کہ محدثین اُمت نے جو حفاظ و ائمہ و اصحاب سنن ایسے القاب سے سرفراز ہیں اپنے جوامع حدیث و سیر میں ایسے روایات درج کر دیئے جن میں حضرت عثمان اور اُن کے اشاعت دادہ اس قرآن پر حسب ذیل الزامات عاید کیے گئے ہیں (۱) یہ کہ اس قرآن میں کتابت کی غلطیاں موجود ہیں اور وہ اُسی غلط صورت پر متواتر ہو کر دُنیائے اسلام میں شائع ہے۔

(۲) یہ کہ حضرت عثمان کو خود بعض اغلاط کا احساس ہوا جس کو انھوں نے پہلی فرصت میں تصحیح کرنے کی ضرورت نہ سمجھی بلکہ بعد کے حوالہ کیا جس کا پھر موقع نہ ملا اور وہ اب تک باقی ہیں (۳) یہ کہ حضرت عثمان نے قرآن میں تغیر و تبدیل کی اور اس کو پہلی صورت پر باقی نہیں رکھا۔

اب کیا اگر اصلی نسخہ قرآن مجید کا یعنی حضرت ابوبکر کے زمانہ کا جمع کردہ موجود ہوتا تو حضرت عثمان اور اُن کی طرف منسوب شدہ قرآن پر سے ان الزامات کے رفع ہو جانے کا امکان نہ تھا؟ کیا اُس صورت میں اگر ایک معترض کے دل میں مذکورہ بالا احادیث کی بناء پر شبہہ پیدا ہوتا اور وہ تحقیق کے خیال سے اُن کی جستجو چاہتا تو اُسے اطمینان حاصل کر لینے کا ایک بہترین ذریعہ نہ موجود ہوتا؟ یقیناً اُس وقت ایک دلدادۂ تحقیق کے لیے بہترین صورت یہ تھی کہ اُس قرآن کی

مطابقت کر کے اُن تمام شکوک سے نجات پا جائے جو اس قرآن کے متعلق پیدا ہوئے ہیں۔ پھر جب ایسا نہ ہوا اور بڑی کاوش کے ساتھ اُس قرآن کو دنیا سے نابود کرنے کا انتظام کیا گیا تو کیا یہ صورت مذکورۂ بالا روایات کے مفاد کو زیادہ تقویت نہیں پہنچاتی اور اس طرح شکوک و شبہات کے دامن کو وسیع سے وسیع تر نہیں بناتی؟

قرآن میں کتابت کی غلطیاں

ملاحظہ ہو حافظ امام جلال الدین سیوطی کی کتاب (اتقان فی علوم القرآن)

ج ۱ ص ۱۸۲ - ۱۸۴

قال ابو عبید فی فضائل القرآن حدثنا ابو معاویة عن ھشام بن عروة عن ابیه قال سألت عائشة عن لحن القرآن عن قوله تعالی ان ھذان لساحران وعن قوله تعالی والمقیمین الصلوة والموتون الزکوة وعن قوله تعالی انّ الذین امنوا والذین ھادوا والصابئون فقالت یا ابن اختی ھذا عمل الکتّاب اخطئوا فی الکتاب۔ ھذا اسناد صحیح علی شرط الشیخین۔

"عروہ بن زبیر کی روایت ہے کہ میں نے حضرت عائشہ سے قرآن کی نحوی غلطیوں کے متعلق سوال کیا جو ان آیات میں ہیں ان ھذان لساحران و المقیمین الصلوۃ والموتون الزکوۃ۔ ان الذین امنوا والذین ھادوا والصابئون۔ انھوں نے فرمایا اے فرزند خواہر یہ کاموں کی کارستانی ہے انھوں نے کتابت میں غلطی کی۔ سند اس روایت کی اُن شرائط کے ساتھ جو شیخین (بخاری و مسلم) نے قرار دیئے ہیں صحیح ہے۔

دوسری روایت

قال (ابو عبید) حدثنا حجاج عن هارون بن موسیٰ اخبرنی الزبیر بن الحریث عن عکرمۃ قال لما کتبت المصاحف عرضت علی عثمان فوجدت فیھا حروفا من اللحن فقال لا تغیروھا فان العرب ستغیرھا او قال ستعربھا بالسنتھا لو کان الکاتب من ثقیف والمملی من ھذیل لم توجد فیہ ھذہ الحروف اخرجہ ابن الانباری فی کتاب الرد علی من خالف مصحف عثمان وابن اشتہ فی کتاب المصاحف ثم اخرج ابن الانباری نحوہ من طریق عبد الاعلی بن عبد اللہ بن عامر و(من) ابن اشتہ نحوہ من طریق یحییٰ بن یعمر۔

عکرمہ کا بیان ہے کہ جب مصاحف لکھے گئے اور حضرت عثمان کے سامنے پیش ہوئے تو اُن میں بعض حروف غلط نظر آئے۔ عثمان نے فرمایا کہ اب انھیں تغیر نہ دو۔ عرب اہل زبان خود اُنھیں (سمجھ کر) تغیر دے لیں گے۔ یا یوں کہا کہ وہ لوگ اپنے محاورہ کے مطابق خود بنالیں گے۔ اگر لکھنے والا قبیلہ ثقیف سے اور بولتا جانے والا قبیلہ ہذیل سے ہوتا تو یہ غلطیاں پائی نہ جاتیں۔ اس روایت کو ابن انباری نے اپنی کتاب میں اور ابن اشتہ نے کتاب المصاحف میں بھی دو دو طریقوں سے درج کیا ہے۔

تیسری روایت

اخرج (ابن الانباری) من طریق ابی عشرہ عن سعید بن جبیر انہ کان یقرأ والمقیمین الصلوٰۃ ویقول ھو لحن من الکتاب۔

برائے ایصال ثواب
سید محبوب علی و سید جواد علی مرحوم
پسران سید
صفی پور، ضلع اناؤ

سعید بن جبیر والمقیمین الصلوٰۃ کو پڑھ کر کہتے تھے کہ یہ کاتبوں کی غلطی ہے۔ اب کچھ نہ پوچھیے کہ ان روایات کو نقل کرنے کے بعد کیا ہلچل مچی ہے۔ کوئی کہتا ہے" یہ احادیث تو بڑے مشکل ہیں، بھلا صحابہ نحوی غلطی کر سکتے ہیں، اُن کے تو گھٹی میں فصاحت پڑی ہوئی تھی، اُن سے غلطی کا امکان کہاں ہے۔

کون کہے وہ ایسے فصیح اللسان تھے کہ ایک محاورہ سے دوسرے محاورہ پر اُن کی زبان نہیں پلٹتی تھی اسی لیے سات حرفوں کی ضرورت ہوئی اور پھر آخری دور میں فتوحات ایران کے بعد سے زبان پر اتنا اثر پڑا تھا کہ علم نحو کے وضع کی ضرورت محسوس ہوئی۔)

اور پھر خصوصیت سے قرآن مجید کو تو اُنھوں نے رسالت مآبؐ سے تنزیل کے مطابق حاصل کیا تھا اور اُس کو پوری احتیاط کے ساتھ حفظ کر لیا تھا پھر اُس میں غلطی کیونکر کرتے۔

(عام صحابہ کے متعلق یہ خیال غلط ہے کہ انھوں نے قرآن کو رسالت مآبؐ سے حاصل کیا تھا، رہ گئے مخصوص لوگ جنھوں نے رسولؐ سے حقیقۃً قرآن اخذ کیا تھا وہ مذکورہ بالا الفاظ پر متفق نہ تھے بلکہ اُن میں پھوٹ پڑی ہوئی تھی چنانچہ تفسیر خازن بغدادی مطبوعہ مصر ج ۲ ص ۶۲ میں ہے۔

والصابئون ظاہر الاعراب یقتضی ان یقال والصابئین وکذا اقراءۃ ابی بن کعب وابن مسعود وابن کثیر من السبعۃ "صابئون" ترکیب نحوی کا اقتضا بظاہر یہ ہے کہ والصابئین ہو اور ابی

بن کعب و ابن مسعود اور قراء سبعہ میں سے ابن کثیر اسی طرح پڑھا کرتے تھے)
پھر یہ کیونکر خیال کیا جا سکتا ہے کہ وہ سب غلطی پر مجتمع ہو گئے تھے
اور اُن کو اس کے بعد خیال بھی نہ آیا کہ وہ اس کی اصلاح کرتے۔

(۲) یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ سو دو سو نہ معلوم کتنے کاتب تھے جن کا اجتماع خطا پر محال ہے حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ وہ چار سے زیادہ نہ تھے، کتابت کی غلطی سے کوئی عالم و فاضل فصیح بلیغ مستثنیٰ نہیں ہے پہلے کاتب سے غلطیاں ہوئیں دوسروں نے اُسی کا اتباع کیا۔ لکھتے وقت لکھنے والے کی توجہ زیادہ تر نقل نویسی کی طرف اس طرح منعطف ہوتی ہے کہ اُس کو اکثر الفاظ کے معانی کا تصور بھی نہیں ہوتا اور پھر جبکہ پہلی کتابت کے ساتھ حسن ظن بھی اتنا ہو کہ منظور یہ ہے کہ دوسرا نسخہ اُس کے بالکل مطابق ہو اور ایک شوشہ کا اختلاف نہ ہونے پائے جس کی تصدیق اُس رسم الخط سے ہوتی ہے جو قرآن کی کتابت میں رائج ہے۔ حالانکہ اُن میں بعض چیزیں یقیناً قواعد کتابت کے خلاف ہیں جیسے لااذبحنّہ اور لااوضعوا وغیرہ مگر کیا مجال کہ کاتبانِ قرآن اس الف کو ترک کر دیں) پھر یہ کیونکر گمان کیا جا سکتا ہے کہ حضرت عثمان اُس کے تغیر دینے سے منع کرتے۔

کسی کتاب کی تصحیح کے وقت خصوصاً جبکہ تعجیل مدنظر ہو اس امر کا لحاظ رکھا جاتا ہے کہ ایسی غلطیاں جن کا اندازہ مطالعہ کرنے والوں کو ذرا دقت سے ہوتا ہے دُور کر دی جائیں لیکن ایسی صریح غلطیاں جن کو ہر شخص دیکھ کر سمجھ سکتا ہے ترک کر دی جاتی ہیں کہ دیکھنے والا خود ہی ان کی تصحیح کر لے گا۔ حضرت عثمان

کے جواب میں یہی خیال مضمر معلوم ہوتا ہے وہ فرماتے ہیں کہ ان غلطیوں کی تصحیح کی ضرورت نہیں۔ عرب اہل زبان ہیں وہ خود ان کا احساس کر کے انھیں اپنے محاورہ کے مطابق درست کر لیں گے لیکن انھیں کیا خبر تھی کہ عام افراد اہل اسلام اُن کے ادراک کے مامور کردہ جامعین قرآن کے ساتھ حسن ظن کچھ ایسا غالب آ جائے گا کہ وہ اِس کو تو اس کو جو اس سے زیادہ معمولی غلطیاں ہیں جیسے لا اذبحنه کا الف اس کو بھی ہمیشہ کے لیے باقی رکھ کر ابتدائی جمع قرآن کی یاد تازہ رکھیں گے)

پھر کیونکر گمان ہو سکتا ہے کہ قرأت اُسی غلطی کے موافق باقی رہی حالانکہ وہ برابر تواتر کے ساتھ نقل ہوتا رہا ہے (یہ اُسی صورت سے باقی رہی کہ جیسے املا کی غلطیاں برابر باقی رہیں اور وہ تواتر کے ساتھ اب تک موجود ہیں) یہ ایسی بات ہے جو عقلاً اور شرعاً اور عادۃً محال ہے۔" (غور کرنے کی ضرورت ہے ورنہ مذکورۂ بالا وجوہ واسباب ونظائر کو دیکھتے ہوئے وہ کسی حیثیت سے محال نہیں ہے۔)

کوئی کہتا ہے کہ یہ روایات ضعیف السند ہیں قابل عمل نہیں کسی کا خیال ہے کہ لحن سے مراد وہ مقامات ہیں جہاں رمز وکنایہ کے طور پر مطالب ذکر ہوئے ہیں کسی کا مقولہ ہے کہ غلطیوں سے مراد املا کی غلطیاں ہیں جیسے لا اذبحنه وغیرہ اور اُن کی تصحیح کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی تھی لیکن علامہ سیوطی نے ان جوابات کے نقل کرنے کے بعد لکھ دیا ہے هذه الاجوبة لا يصلح منها شئ عن حديث عائشة اما الجواب بالتضعيف فلان اسناده صحيح كما ترى واما الجواب بالرمز وما بعده فلان سؤال عروة عن الاحرف المذكورة لا يطابقه۔

"ان جوابوں میں سے کوئی بھی حضرت عائشہ کی حدیث کے متعلق صحیح نہیں ہے اس لیے کہ سند اس کی صحیح ہے لہذا ضعف سند کا بہانہ ہو نہیں سکتا اور رمز و اشارہ والے جواب کا بھی موقع نہیں کیونکہ اُس میں عروہ کا سوال خاص آیات کے متعلق ہے جن میں اعراب کی غلطیوں کو ظاہر کیا گیا تھا۔

ابن اشتہ کہتے ہیں کہ مراد حضرت عائشہ کی یہ ہے کہ ان لوگوں نے قراٰت سبعہ میں سے موجودہ قراءت کے انتخاب میں غلطی کی ہے نہ یہ کہ جو موجودہ قراءت ہے وہ بالکل غلط اور ناجائز ہے۔

لیکن سوال و جواب پر نظر ڈالنے سے یہ تاویل بالکل پا در ہوا ثابت ہوتی ہے عروہ بن زبیر نے مذکورۂ بالا آیات میں غلط اعرابی کے متعلق سوال کیا تھا حضرت عائشہ فرماتی ہیں ھذا عمل الکتاب "یہ کاتبوں کی کارستانی ہے" اگر موجودہ الفاظ بھی حروف سبعہ میں سے ہوتے اور حروف سبعہ کے متعلق یہ عقیدہ ہے کہ وہ خدا کی طرف سے نازل شدہ ہیں تو وہ کاتبوں کی کارستانی نہیں کہے جا سکتے بلکہ وہ بھی خدا کے نازل کردہ ہیں۔ اس کے متعلق یہ جواب کافی تھا کہ یہ بھی بعض لغات عرب میں محاورہ ہے اور اس بناء پر حروف سبعہ میں سے ایک حرف کے مطابق ہے اور پھر انتخاب قراءت میں غلطی یہ جامع قرآن یا اختیار کنندگان سے تعلق رکھتی ہے اُس کو کاتبوں کی طرف منسوب کرنے کے کوئی معنی نہیں۔

بعض نے گھبرا کر آیات مذکورہ کی توجیہ کے لیے سیبویہ و اخفش و خلیل وغیرہ کو اکھٹا کرنا اور کلیات ابوالبقاء کو اُلٹنا شروع کر دیا ہے اور مندرجہ الفاظ کی

برائے ایصال ثواب
سید محبوب علی و سید جواد علی
پسران

توجیہ کے لیے نحویین کے اقوال و احتمالات سے مدد لی ہے لیکن افسوس ہے کہ ان اقوال و توجیہات میں سے کوئی بھی حضرت ام المومنین عائشہ کی روایت کا درمان نہیں ہے بلکہ درحقیقت اِن تاویلات میں حضرت ام المومنین کے ارشاد کی تکذیب اور اُن کی خدمت میں سوء ادب مضمر ہے۔ کیا وہ معظمہ قواعد عرب اور اصول نحو سے واقف نہ تھیں یا وہ جان بوجھ کر حضرت عثمان کی عداوت میں صحیح الفاظ کو غلط بتلا رہی تھیں؟

درحقیقت یہ قواعد و اصول تو بعد میں ایجاد ہوئے ہیں اور اکثر خود قرآن مجید کے آیات کو دیکھ کر اور اُن سے استفادہ کر کے اور حضرت ام المومنین عائشہ اپنی ذاتی اطلاع کی بنا پر الفاظ مذکورہ کو غلط نویس کاتبوں کی کارستانی بتلا رہی تھیں پھر موصوفہ کے قول کے سامنے نحویین کے توجیہات پیش کرنے سے کیا نتیجہ؟

چوتھی روایت
تحریف کا صریحی اقرار

الامام احمد فی مسندہ و ابن اشتہ فی المصاحف من طریق اسماعیل المکی عن ابی خلف مولیٰ بنی جمح انہ دخل مع عبید بن عمیر علیٰ عائشۃ فقال جئت اسئلک عن اٰیۃ فی کتاب اللّٰہ تعالیٰ کیف کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یقرأھا قالت اٰیۃ اٰیۃ قال الذین یاتون ما اتوا والذین یوتون ما اتوا قالت ایتھما احب الیک قلت والذی نفسی بیدہ لاحدھما احب الیّ من الدنیا جمیعا قالت ایھما قلت الذین یاتون ما

اتوا فقالت اشهد ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کذالک کان یقرأھا وکذلک انزلت ولکن الھجاء حرّف۔

امام احمد بن حنبل نے مسند میں اور ابن اشتہ نے کتاب المصاحف میں اسمٰعیل مکی کی طریق سے ابو خلف جمحی سے روایت کی ہے کہ وہ عبید بن عمیر کی معیت میں حضرت عائشہ کے پاس گئے اور کہا کہ اس آیت کے متعلق دریافت کرنے آیا ہوں کہ رسالت مآبؐ اس کو کیونکر پڑھا کرتے تھے۔ "الذین یاتون ما اتوا یا الذین یؤتون ما اتوا" حضرت عائشہ نے فرمایا کہ تمھیں زیادہ کیا اچھا معلوم ہوتا ہے انھوں نے کہا "الذین یاتون ما اتوا" معظمہ نے فرمایا میں گواہی دیتی ہوں کہ میں نے جناب رسالت مآبؐ کو اسی طرح پڑھتے سُنا اور وہ اسی طرح نازل ہوئی تھی لیکن حروف تہجی میں تحریف کر دی گئی۔

پانچویں روایت ابن جریر وسعید بن منصور فی سعند عن طریق سعید بن جبیر عن ابن عباس فی قولہ حتی تستأنسوا وتسلموا قال انما ھی خطأ من الکاتب حتی تستأذنوا وتسلموا۔

ابن عباس کا بیان ہے کہ حتی تستأنسوا وتسلموا کاتب کی غلطی ہے اصل یوں ہے کہ حتی تستاذنوا وتسلموا۔

چھٹی روایت ابن انباری نے بطریق عکرمہ ابن عباس سے روایت کی ہے کہ انھوں نے یہ آیت پڑھی افلم یتبین الذین

آمنوا ان لو یشاء اللہ لھدی الناس جمیعاً کسی نے کہا کہ مصحف میں تو یوں ہے کہ افلم ییئس الذین آمنوا الخ ابن عباس نے کہا اظن الکاتب کتبھا وھو ناعس میرا خیال یہ ہے کہ کاتب نے اس جملہ کو بینک میں لکھا ہے۔

ساتویں روایت سعید بن منصور من طریق سعید بن جبیر عن ابن عباس انه کان یقول فی قوله تعالیٰ وقضی ربک انما ھی ووصّی ربک التزقت الواو بالصّاد۔

ابن عباس اس آیت کے متعلق کہ وقضی ربک کہتے تھے یہ اصل میں ووصی ربک تھا کتابت میں واو صاد سے متصل ہو گیا۔

ابن اشتہ نے اس کو باین الفاظ نقل کیا ہے کہ استمدّ الکاتب مداداً کثیراً فالتزقت الواو بالصاد کاتب نے روشنائی قلم میں لے لی جس کی وجہ سے واو صاد سے متصل ہو گیا

آٹھویں روایت ابن اشتہ نے ضحاک سے روایت کی ہے کہ انھوں نے قرآن میں اس آیت کو نکال کر کسی کے سامنے پیش کیا کہ تم اسے کیونکر پڑھتے ہو؟ اس نے کہا وقضی ربک ضحاک نے کہا کہ ہم تو اس طرح نہیں پڑھتے وہ ہمیشہ پڑھی اور لکھی جاتی تھی (یعنی حضرت عثمان والے جمع قرآن کے قبل) لیکن کاتب نے روشنائی قلم میں زیادہ لے لی جس سے واو صاد سے متصل ہو گیا جس طرح خدا نے فرمایا ہے ولقد وصینا الذین اوتوا الکتاب من قبلکم وایاکم ان اتقوا اللہ بھلا اگر خداوند عالم کے قضا و قدر میں گذر جاتا کہ لوگ عبادت کریں تو کوئی اس کے قضا کی

در اصل عبارت کتابت میں ووصی ربک تھا اور واو صاد بن گئی

مخالفت کب کر سکتا ہے بلکہ یہ درحقیقت ہدایت ہے جو اس نے بندوں کو کی ہو

نویں روایت | سعید بن منصور وغیرہ من طریق عمر بن دینار عن عکرمۃ عن ابن عباس انہ کان یقرأ ولقد اتینا موسی وھرون الفرقان ضیآء ویقول خذوا ھذہ الواو واجعلوھا ھھنا والذین قال لھم الناس ان الناس قد جمعوا لکم الآیۃ

ابن عباس اس آیت کو پڑھتے تھے کہ ولقد اتینا موسی وھرون الفرقان ضیاء اور کہتے تھے کہ اس واو کو یہاں سے اٹھا کر اس جگہ رکھ دو کہ والذین قال لھم الناس ان الناس قد جمعوا لکم۔

اس کے معنی یہ ہیں کہ ولقد اتینا والی آیت کے شروع میں واؤ زیادہ اور الذین قال لھم الناس میں واو کم ہے

دسویں روایت | ابن عباس کا بیان ہے کہ مثل نورہ کمشکوٰۃ میں کاتب سے غلطی ہوئی ہے، خدا کی شان اس سے بلند ہے کہ اُس کے نور کی مثال مشکوٰۃ ہو بلکہ اصل یہ آیت اس طرح تھی کہ مثل نور المومن کمشکوٰۃ ابن اشتہ نے ان تمام اخبار کو نقل کرکے کہا ہے کہ اُن سے مراد وہی تعیین قراءت میں غلطی ہے نہ یہ کہ جو کچھ موجود ہے وہ غلط اور ناقابل عمل ہے لیکن افسوس ہے کہ روایات کے الفاظ اس تاویل سے بہت دُور ہیں۔

وہ فرماتے ہیں کہ قلم میں روشنائی زیادہ آگئی واؤ صاد سے مل گیا جس کی بنا پر ووصی کا وقضی ہوگیا۔ یہ فرماتے ہیں کہ یعنی تعیین قراءت میں غلطی ہوئی وہ فرماتے ہیں کہ حروف تہجی میں تحریف ہوئی ان کا ارشاد ہے یعنی تعیین قراءت

میں غلطی ہوی وہ کہتے ہیں کہ وقصی دباث غلط ہے اس لیے کہ قصنار کے بعد تخلف کیسا؟ یہ کہتے ہیں یعنی وہ بھی خدا کی طرف سے نازل شدہ ہے لیکن مقام تعین میں اس کا انتخاب کرنا غلطی تھی۔

کیا تاویلات ایسے ہی ہونا چاہیے ہیں جن سے الفاظ بہت شدت سے انکار رکھتے ہوں۔

ابن انباری نے ان روایات کے خلاف قدح کا حربہ تیز کیا ہے اور سب کا جواب یہی دیا ہے کہ وہ ضعیف السند ہیں لہذا قابل اعتبار نہیں مگر یہ ایسا جواب ہے کہ علامہ سیوطی بھی اُس سے راضی نہیں اور وہ ان دونوں جوابوں کے نقل کے بعد فرماتے ہیں "والجواب الاوّل اولی واقعد" پہلا جواب بہتر اور زیادہ دل نشیں ہے۔"

لیکن ہم نے پہلے جواب کی حقیقت واضح کر دی، اب رہی تضعیف وہ اس کثرت اسناد اور تعدد روایات کی بنا پر جو استفاضہ کی حد سے بڑھ گئی ہے اعتنا کا مستحق نہیں ہے۔

قرآن میں تغییر و تبدیل اور بالفاظ دیگر تحریف

قال (ابو عبید) حدثنا حجاج عن ابن جریج اخبرنی ابن ابی حمید عن حمیدة بنت ابی یونس قالت قرأ علی ابی وھو ابن ثمانین سنة فی مصحف عائشة ان اللّٰہ وملٰئکتہ یصلّون علی النبی یا ایّھا الذین اٰمنوا صلّوا علیہ وسلموا تسلیما وعلی الذین یصلون الصفوف الاول قال قبل ان یغیر عثمان المصاحف

حمیدہ بنت ابی یونس کا بیان ہے کہ میرے سامنے ابی بن کعب نے جبکہ وہ کبیر السن اسّی برس کی عمر کے تھے مصحف عائشہ میں یہ آیت اس طرح پڑھی تھی کہ ان اللہ وملائکتہ یصلون علی النبی یا ایھا الذین آمنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیما وعلی الذین یصلون الصفوف الاول۔ کہا یہ اُس وقت کا ذکر ہے کہ جب تک حضرت عثمان نے مصاحف میں تغیر و تبدیل نہیں کی تھی۔

(اتقان سیوطی ج ۲ ص۲۵)

روایت سے صاف ظاہر ہے کہ وعلی الذین یصلون الصفوف الاول کا فقرہ جناب عائشہ کے مصحف میں موجود تھا اور حضرت عثمان نے مصاحف میں تغیر و تبدیل فرمائی تھی اس کے ساتھ تحریف و تغیر کی نوعیت بتلائی نہیں گئی اور یہ کہ اس کا اثر احکام الٰہیہ پر پڑا تھا یا نہیں؟

بے شک علامہ سیوطی نے اس خبر کو نسخ تلاوت کے ذیل میں درج کیا ہے لیکن یہ ایک خیال ہے جس کا وزن خطا اجتہادی سے زیادہ نہیں ہے۔ اگر آیت منسوخ التلاوت ہوتی تو حضرت عائشہ اس کو اپنے مصحف میں کیوں باقی رہنے دیتیں حالانکہ اُن معظمہ کا ساتھ جناب رسالت مآب کا آخری وقت تک رہا تھا لہذا عرضہ اخیرہ کی خبر اُن سے بڑھ کر کس کو ہو سکتی تھی؟ اور ابی بن کعب اس کی کیوں تلاوت کرتے جبکہ وہ اقرأ الصحابہ اور بنص حضرت عمر سید القراء تھے اور پھر حضرت عثمان کی طرف اس تغیر کی نسبت سے صاف ظاہر ہے کہ وہ زید بن ثابت کے پہلی مرتبہ جمع قرآن کرنے میں موجود تھی اور نیز اس لیے کہ اگر زید والے قرآن میں نہ ہوتی تو حضرت عائشہ کا مصحف اُس پر مشتمل نہ ہوتا۔ کیونکہ مصحف حضرت عائشہ

اُس جمع قرآن کے موقع پر موجود نہ تھا ورنہ حضرات شیخین کو اس کاوش کی ضرورت نہ پڑتی اور نہ قراء کے قتل ہونے سے اُس کے تلف کا خوف پیدا ہوتا بلکہ یقیناً یہ مصحف اُس کے بعد لکھا گیا ہے، اور چونکہ وہ صحف حضرت ابوبکر ہی کے پاس موجود تھے اور وہی اُن کے جمع و تدوین کے بانی تھے اور حضرت عائشہ کے کتابت مصحف کے وقت کسی خاص جمع و تدوین کا پتہ بھی نہیں ہے اس بناء پر یقیناً حضرت عائشہ کا مصحف انہی صحف کی مطابقت سے لکھا۔ پھر اگر وہ منسوخ التلاوۃ تھی تو عرضہ اخیرہ میں حاضر ہونے والے زید بن ثابت ہی اُس کو قرآن میں درج کیوں کرتے جو نوبت حضرت عثمان تک پہونچتی اور اُنھیں اس تغییر و تبدیل کی ضرورت محسوس ہوتی

قرآن کا کثیر حصہ تلف

حدثنا ابن ابی مریم عن ابن لھیعۃ عن ابی الاسود عن عروۃ بن الزبیر عن عائشۃ قالت کانت سورۃ الاحزاب تقرأ فی زمن النبی صلی اللہ علیہ وسلم مائتی آیۃ فلما کتب عثمان المصاحف لم یقدر منھا الا ما ھو الآن۔

عروہ بن زبیر حضرت عائشہ کی زبانی ناقل ہیں کہ آپ فرماتی تھیں سورہ احزاب جناب رسالت مآبؐ کے زمانہ میں دو سو آیتوں کا پڑھا جاتا تھا لیکن جب حضرت عثمان نے مصاحف کو لکھا تو اُنھیں نہ مل سکا مگر اتنا ہی جو اب موجود ہے

(اتقان صفحہ مذکورہ)

اس روایت کے الفاظ کو بھی نسخ تلاوت سے کوئی تعلق نہیں ہے اس لیے کہ حضرت عائشہ بقیہ حصہ کے عدم اندراج کی وجہ محض قصور اور دستیاب نہ ہوسکنے کو قرار دیتی

ایسی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کامل جستجو کی گئی کہ اگر کچھ آیات اِس سورہ کے متعلق دستیاب ہوں تو وہ درج کیے جائیں لیکن اس سے زیادہ نہ مل سکے۔ اگر اُس حصّہ کے متعلق معلوم ہوتا کہ وہ منسوخ التلاوۃ ہے تو زید بن ثابت صاحب عرضۂ اخیرہ اس امر پر مطلع ہوتے اور اُن آیات کو ڈھونڈھنے کی ضرورت ہی نہ محسوس ہوتی بلکہ وہ آیات اگر سامنے موجود ہوتے تب بھی درج نہ کیے جاتے لہذا درج نہ کیے جانے کا سبب یہ بتلانا کہ وہ دستیاب نہ ہو سکے اس امر کی صریحی دلیل ہے کہ وہ آیات منسوخ التلاوۃ نہ تھے بلکہ اگر دستیاب ہوتے تو ضرور درج کرنے کے قابل تھے۔

یہ خیال کہ کسی آیت کا صحابہ کے ذہن سے نکل جانا اور اُن کا اُسے فراموش کر دینا یہی اُس کے منسوخ التلاوۃ ہونے کی سند ہے واقعیت سے کوسوں دُور ہے

انسان عجز و قصور کا مجسمہ ہے اُس کی طبیعت نقائص کا مجموعہ ہے سہو و نسیان اُس کے عمومی عوارض میں سے ہے جو طویل عرصہ تک بے توجہی اور عدم مزاولت کا نتیجہ ہوا کرتا ہے۔ اُس کی ذمہ داری خداوند عالم پر عائد کرنا غلط ہے۔

صحیح بخاری سے تو ظاہر ہوتا ہے کہ اس نسیان سے رسالت مآب بھی مستثنےٰ نہ تھے چنانچہ اُس میں "باب نسیان القرآن" میں یہ حدیث موجود ہے حدثنا احمد بن ابی رجاء قال حدثنا ابو اسامۃ عن ھشام بن عروۃ عن ابیہ عن عائشۃ قالت سمع رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم رجلا یقرأ فی سورۃ باللیل فی المسجد فقال یرحمہ اللہ لقد ذکرنی کذا وکذا آیۃ کنت انسیتھا من سورۃ کذا وکذا۔

"حضرت عائشہ کا بیان ہے کہ جناب رسالت مآبؐ نے ایک شخص کو شب کے وقت ایک سورہ پڑھتے سنا حضرت نے فرمایا خدا اس پر رحمت نازل کرے اس نے مجھ کو فلاں فلاں آیتیں فلاں فلاں سورہ کی یاد دلا دیں جن کو میں بھول گیا تھا۔

(مطبوعہ کرزن پریس ص۵۳)

اور اس مضمون کی متعدد حدیثیں اس باب میں اور "باب من لم یر باسا ان یقول سورۃ البقرۃ وسورۃ کذا" میں مذکور ہیں۔ پھر جب رسالت مآبؐ کا نسیان بعض آیات کو ان آیات کے منسوخ التلاوۃ ہونے کی دلیل نہ ہوا اور نہ رسالت مآبؐ ان آیات کے یاد آجانے پر اظہار مسرت نہ فرماتے تو کسی اور کا نسیان نسخ تلاوت کی دلیل کب ہو سکتا ہے؟

اور پھر تلف کے اسباب سہو و نسیان میں منحصر نہیں بلکہ دوسری صورتیں بھی تھیں جن میں سب سے اہم حفاظ قرآن کا لڑائیوں میں شہید ہو جانا ہے جس کی بنا پر حضرت عمر کو قرآن مجید کی جمع آوری کا خیال پیدا ہوا تھا چنانچہ اتقان ج ۱ ص۵۹ میں ہے۔

اخرج ابن ابی داؤد من طریق الحسن ان عمر سئال عن آیۃ من کتاب اللہ فقیل کانت مع فلان قتل یوم الیمامۃ فقال انا للہ و امر بجمع القرآن۔

حسن کی روایت ہے کہ حضرت عمر نے ایک آیت کے متعلق دریافت کیا معلوم ہوا کہ وہ فلاں صحابی کے پاس تھی جو جنگ یمامہ میں قتل ہو گئے، یہ سن کر آپ نے (متاسفانہ) کہا انا للہ وانا الیہ راجعون اور جمع قرآن کا مشورہ دیا۔"

علامہ سیوطی اس روایت کے متعلق فرمائیں کہ منقطع الاسناد ہے لیکن وہ کیا

کریں گے کہ اس کا مضمون صحیح بخاری کی اس حدیث سے بالکل موافق ہے جس میں حضرت عمر کا گھبرا کر حضرت ابو بکر کی خدمت میں آکر کہنا مذکور ہے کہ غضب ہو گیا روز یمامہ بہت سے حفاظ قرآن مارڈالے گئے اور اگر اسی طرح دو تین لڑائیوں میں حفاظ قرآن کام آئے تو کثیر حصہ قرآن کا ہاتھ سے جاتا رہے گا۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ حفاظ قرآن کی شہادت سے آپ کو کثیر مقدار میں قرآن مجید کے تلف کا اندیشہ پیدا ہو گیا تھا، کیا اس صورت سے جو اجزائے قرآن تلف ہوں وہ بھی منسوخ التلاوۃ سمجھے جائیں گے تو پھر حضرت عمر کو فکر ہی کیا تھی؟ جتنے آیات منسوخ ہونے والے تھے وہ تلف ہو جاتے اور جو کچھ باقی رہتا وہی مکمل قرآن سمجھا جاتا لیکن ایسا نہیں ہے۔ درحقیقت اس قسم کے حوادث سے قرآن مجید کی اصلیت پر کوئی اثر نہیں پڑ سکتا اور نہ اُن کو نسخ تلاوۃ سے کوئی تعلق ہے۔

دوسری روایت قال ابو عبید، حدثنا اسمعیل بن ابراهیم عن ایوب عن نافع عن ابن عمر قال لیقولن احدکم قد اخذت القرآن کلہ وما یدریہ ما کلہ قد ذھب منہ قرآن کثیر ولکن لیقل قد اخذت ما ظھر۔

حضرت عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ تم میں سے ہر شخص کہتا ہو گا کہ میں نے پورا قرآن حاصل کر لیا، حالانکہ اُسے کیا معلوم پُورا قرآن کیا چیز ہے، اُس میں تو اکثر حصہ تلف ہو گیا ہے، بے شک یہ کہنا چاہیے کہ قرآن میں سے جتنا ظاہر ہوا اُس کو میں نے لیا ہے (اتقان ج ۲ ص ۲۵)

دہ نسخ تلاوت والا دار جو ہر روایت کے متعلق سنجا ہوا ہے اگرچہ یقیناً

جاتا ہے بھلا اس روایت کے مقابل کیونکر نہ ہوتا چنانچہ فوراً ذھب منہ قرآن کثیر کے معنی کم دیئے گئے کہ یعنی اکثر حصہ اُس کا منسوخ التلاوۃ ہوگیا ہے لیکن معنی شناس افراد اس تاویل کی سبک باری کا اندازہ کر سکتے ہیں۔

ایک تو منسوخ التلاوۃ ہو جانے کے معنی یہ ہیں کہ وہ آیت بحکم الٰہی قرآن سے خارج کر دی گئی پھر اُس بناء پر اس مخالفت کے کوئی معنی نہیں کہ قرآن کامل موجود ہونے کا اپنے پاس ادعا نہ کرو، حضرت عبداللہ بن عمر ایسے فقیہ کی طرف ایسے بے بنیاد حکم کی نسبت قابل تسلیم نہیں ہے۔

پھر اس کے مقابلہ میں یہ کہنے کی ہدایت کہ قد اخذت منہ ما ظھر نسخ تلاوت پر منطبق نہیں ہے اس لیے کہ ظہور مقابل خفا ہے اور خفا وجود پر موقوف یعنی اکثر حصہ قرآن کا مخفی رہا اور ہم تک نہ پہونچ سکا جو کچھ پہونچا وہ ہم نے لے لیا، نسخ بمعنی ازالہ ہے اور اُس کا مقابل بقا ہے نہ ظہور اُس صورت میں صحیح تھا کہ قد اخذت منہ ما بقی۔

پھر ذہاب کے معنی کو نسخ تلاوت سے کوئی تعلق نہیں بلکہ یہ ذہاب کی لفظ وہی ہے جو حدیث جمع قرآن میں حضرت عمر کی زبانی بایں الفاظ مذکور ہے۔

انی اخشیٰ ان یستحر القتل بالقراء فی المواطن فذھب کثیر من القرآن۔

"مجھ کو خوف ہے کہ لڑائیوں میں حفاظ اسی صورت پر مارڈالے جائیں تو بہت سا قرآن ہاتھ سے جاتا رہے۔"

یہاں ذہاب کے معنی تلف کے سوا کچھ اور نہیں ، ظاہر لفظ اسی عبارت کے

ساتھ عبداللہ بن عمر کے قول میں مذکور ہے وہ فرماتے ہیں قد ذھب منہ قرآن کثیر لہذا اس کے بھی معنی یہی ہو سکتے ہیں کہ بہت سا قرآن ہاتھ سے جاتا رہا یعنی تلف ہو گیا ہے۔

نسخ تلاوت کی مختصر بحث

اکثر وہ احادیث کہ جن سے آیات قرآن کی مختلف طرح کمی کا پتہ چلتا ہے ان کو نسخ تلاوت کے سر منڈھنے کی کوشش کی گئی ہے جس کا اجمالی اشارہ سابق میں گذر چکا اور ہم نے یہ ثابت کر دیا کہ اُن احادیث کو نسخ تلاوت سے کوئی تعلق نہیں ہے اب کلیتہً نسخ تلاوت کے متعلق نظر ڈالنا منظور ہے کہ کیا وہ کوئی تسلیم شدہ اور ناقابل انکار چیز ہے یا وہ ایک طبع زاد خیال اور خود ساختہ نظریہ ہے جو کسی مستند دلیل سے وابستہ نہیں ہے۔

علامہ ابو القاسم ھبۃ اللہ بن سلامہ ابی النصر متوفی ۴۱۰ھ نے اپنی کتاب الناسخ والمنسوخ میں جو اسباب النزول واحدی کے حاشیہ پر مصر میں طبع ہوئی ہے نسخ کے اقسام ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے المنسوخ فی کتاب اللہ عز وجل علی ثلثۃ اضرب فمنہ ما نسخ خطّہ وحکمہ ومنہ ما نسخ خطہ وبقی حکمہ ومنہ ما نسخ حکمہ وبقی خطہ۔

"منسوخ آیات کتاب خدا میں تین قسم کے ہیں ایک وہ کہ جس کی کتابت اور حکم دونوں منسوخ ہو گئے دوسرے وہ کہ جس کی کتابت منسوخ ہو گئی لیکن حکم باقی ہے تیسرے وہ کہ جس کا حکم منسوخ ہوا اور کتابت باقی ہے"۔

فاما ما نسخ حکمہ وخطہ فمثل ما روی عن انس بن مالک رضی اللہ

عنه انه قال کنّا نقرأ علی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سورۃ
تعدلہا سورۃ التوبۃ ما احفظ منہا غیر اٰیۃ واحدۃ ولوانّ لابن
ادم وادیان من ذہب لا تبتغی الیہما ثالثا ولوانّ لہ ثالثا
لا بتغی الیہا رابعا ولا یملأ جوف ابن ادم الّا التراب ویتوب اللہ
علی من تاب وروی عن عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ انّہ
قال اقرأنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اٰیۃ فحفظتہا وکتبتہا
فی مصحفی فلما کان اللیل رجعت الی مضجعی فلم ارجع منہا بشیٔ
وغدوت الی مصحفی فاذا الورقۃ بیضاء فاخبرت النبی صلی اللہ
علیہ وسلم فقال لی یا ابن مسعود تلک رفعت البارحۃ" وہ کہ
جس کی کتابت اور حکم دونوں منسوخ ہوگئے ہوں اُس کی مثال یہ ہے کہ انس
بن مالک کا بیان ہے ہم جناب رسالت مآبؐ کے زمانہ میں ایک سورہ ایسا
پاتے تھے جو سورۂ توبہ کے برابر تھا اُس میں سے مجھ کو صرف ایک آیت یاد ہے کہ
ولوان لابن ادم الخ (فرزند آدم یعنی انسان کے لیے اگر دو جنگل سونے کے
ہوتے تو وہ تیسرے کا طالب ہوتا اور تین ہوتے تو چوتھے کا طالب ہوتا اور
فرزند آدم کے پیٹ کو اگر کوئی چیز بھر سکتی ہے تو وہ مٹی ہے اور خدا جس کی توبہ
قبول کرتا ہوتی ہے اُس کی توبہ قبول کرتا ہے) اور ابن مسعود سے نقل ہے اُن کا
بیان ہے کہ مجھ کو رسالت مآبؐ نے ایک آیت کی تعلیم دی میں نے اس کو یاد کیا
اور اپنے مصحف میں لکھ لیا، جب رات ہوئی اور میں اپنے بستر پر گیا تو بہت
سوچا وہ آیت یاد نہ آئی مصحف کو جاکر دیکھا تو ورق سادہ تھا اور اُس کی کتابت

محو ہو گئی تھی۔ آخر اس کی اطلاع میں نے جناب رسالت مآبؐ کو دی۔ حضرت نے فرمایا "اے ابن مسعود وہ شب کو اٹھا لی گئی۔

واما مانسخ خطه وبقی حکمه فمثل ما روی عن عمر بن الخطاب رضی الله عنه انه قال لولا اکره ان یقول الناس قد زاد فی القرآن ما لیس فیه لکتبت آیة الرجم واثبتها فوالله لقد قرأناها علی رسول اللهؐ صلی الله علیه وسلم لا ترغبوا عن آبائکم فان ذلک کفر بکم الشیخ والشیخة اذا زنیا فارجموهما البتة نکالا من الله والله عزیز حکیم۔

"وہ کہ جس کی کتابت منسوخ ہو گئی لیکن حکم باقی ہے اس کی مثال یہ ہے کہ حضرت عمر فرماتے تھے اگر مجھے ناگوار نہ ہوتا یہ امر کہ لوگ کہیں گے انھوں نے قرآن میں زیادتی کر دی تو میں آیۂ رجم کو قرآن میں لکھ دیتا اور ثابت کر دیتا اس لیے کہ بخدا ہم نے رسالت مآبؐ کے سامنے اس کو پڑھا تھا لا ترغبوا عن آبائکم الخ"

(حاشیۂ اسباب النزول مطبوعہ مصر ۱۳۰۹ھ)

جب ہم ان روایات پر جن کو نسخ تلاوت کے ثبوت میں پیش کیا جا رہا ہے نظر ڈالتے ہیں تو سوا ابن مسعود والی روایت کے کوئی نسخ تلاوت کو نہیں بتلاتی اس لیے کہ انس بن مالک کی روایت میں صرف ایک سورہ کا پتہ دیا گیا ہے جو جناب رسالت مآبؐ کے زمانہ میں پڑھا جاتا تھا اور یہ موجودہ قرآن میں موجود نہیں ہے اور یہ کہ انس کو اس سورہ میں کی صرف ایک

آیت یادرہ گئی ہے اور پورا فراموش ہوگیا اس کو نسخ تلاوت کی دلیل اُس وقت سمجھا جاسکتا ہے جب کسی صحابی کے سہو و نسیان اور بھول چوک کی ذمہ داری خدا پر عائد ہو اور اُس کا فراموش کر جانا منسوخ التلاوۃ ہونے کی سند ہو حالانکہ ہم اس خیال کو کمال وضاحت کے ساتھ باطل کر چکے ہیں ہم نے صحیح بخاری کے حوالہ سے یہاں تک دکھلایا تھا کہ رسالت مآبؐ کا کسی آیت کو (معاذاللہ) بھول جانا اُس کے نسخ کی دلیل نہیں سمجھا گیا ہے چہ جائے کہ صحابہ کا نسیان۔

پھر اگر صرف بھول جانا ہی نسخ تلاوت کی دلیل ہے تو وہ ایک آیت جو یاد رہ گئی تھی موجودہ قرآن میں کیوں نظر نہیں آتی۔

کیا تمام سورہ کے فراموش ہو جانے کے ساتھ ساتھ ایک آیت کا یاد رہ جانا اس امر کا پتہ نہیں دیتا کہ یہ آیت منسوخ نہ تھی ورنہ یہ بھی دیگر آیات کی طرح زینت طاق نسیاں ہو جاتی؟

اس کے منسوخ الحکم والتلاوہ ہونے کی کیا سند ہے۔ اس کے جواب کی ذمہ داری علامہ ابوالقاسم ہبۃ اللہ بن سلامہ کے ذمہ عائد ہوتی ہے۔

قاضی شوکانی نے خصوصیت کے ساتھ اسی آیت کو منسوخ التلاوۃ میں داخل کیا ہے اور حکم کو اُس کے باقی بتلایا ہے چنانچہ وہ اپنی کتاب ارشاد الفحول میں اقسام نسخ کا تذکرہ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں۔

الخامس ما نسخ رسمہ لا حکمہ ولا یعلم الناسخ لہ ذلک کما ثبت فی الصحیح لو کان لابن آدم وادیان من ذھب لتمنّی لھما ثالثا لا یملأ جوف ابن آدم الا التراب ویتوب اللہ علی من تاب فانّ ھذا کان قرآنا ثم

لنسخ رسمہ قال ابن عبد البر فی التمہید قیل انہ فی سورۃ ص)

"پانچویں قسم یہ ہے کہ کتابت منسوخ ہو لیکن حکم باقی رہے اور ناسخ کا پتہ نہ ہو جیسے وہ آیت جو خبر صحیح سے پایۂ ثبوت کو پہونچی ہے کہ لو کان لابن آدم الخ یہ جزو قرآن تھی پھر اس کی کتابت منسوخ ہو گئی ابن عبد البر نے تمہید میں کہا ہے کہ یہ آیت سورۂ ص میں تھی" (منسوخ عصر ص۱۷)

آخری جزو عبادت سے اُس سورہ کی بھی بالکل نفی ہو جاتی ہے جس کا پتہ اِس میں مالک نے دیا تھا اور معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت کسی خاص سورہ سے تعلق نہ رکھتی تھی بلکہ اسی سورۂ ص میں تھی کہ جو فعلاً موجود ہے لیکن اس صورت میں قاضی شوکانی سے اس خبر صحیح کا پتہ دریافت کرنا ضروری ہے کہ جس میں اس آیت کے نسخ کا پتہ دیا گیا ہے۔

حضرت عمر کی روایت متعلقہ آیت رجم کو تو نسخ تلاوت کے ثبوت میں پیش کرنا انتہائی مضحکہ خیز ہے اس لیے کہ اُس روایت کے الفاظ صریحی طور پر اُس آیت کے متعلق نسخ کے خیال کو بے بنیاد ثابت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ اگر مجھے خوف نہ ہوتا کہ لوگ کہیں گے عمر نے قرآن میں زیادتی کرائی تو میں اس آیت کو قرآن میں لکھ دیتا اور ثبت کر دیتا۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ لوگوں کی نکتہ چینی کا خیال یا بالفاظ دیگر تقیہ وہ تھا کہ جو حضرت عمر کو اس آیت کی کتابت سے مانع ہوا ورنہ وہ ضرور اس آیت کو درج قرآن فرما دیتے۔

اگر آیت منسوخ التلاوت ہوتی تو وہ حقیقۃً قرآن میں درج ہونے کے

قابل نہ تھی۔ اُس میں درج کر دینے کا ارادہ لیکن لوگوں کے خوف سے لرز لرز کر رہ جانا کوئی معنی نہیں رکھتا۔

ان روایات کو نسخ تلاوت کی سند میں پیش کرنا خود نسخ تلاوت کی بنیادوں کی کمزوری اور بادر ہوا ہونے کا ثبوت دینا ہے اسی بناء پر اکثر علماء کے اقوال سے نسخ تلاوت کی کوئی حقیقت ظاہر نہیں ہوتی چنانچہ ابو بکر محمد بن موسیٰ بن عثمان الہمدانی متوفی ۵۸۴ھ اپنی کتاب الاعتبار فی بیان الناسخ والمنسوخ من الآثار۔

(مطبوعہ حیدر آباد ص۶) میں لکھتے ہیں:

ان المعروف من النسخ فی القرآن هو ابطال الحکم مع اثبات الخط وکذلك هو فی السنة اما فی الکتاب فهو ان تکون الآیة الناسخة والمنسوخة ثابتتین فی التلاوة الا ان المنسوخة لا یعمل بها مثل عدة المتوفی عنها زوجها کانت سنة لقوله متاعا الی الحول غیر اخراج ثم نسخت باربعة اشهر وعشر الی قوله تعالی یتربصن بانفسهن اربعة اشهر وعشرا۔" جو معنی نسخ کے قرآن میں تسلیم شدہ ہیں وہ یہ ہیں کہ حکم منسوخ ہو جائے لیکن آیت کے الفاظ باقی رہیں اور ایسا ہی سنت کے نسخ میں بھی ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں نسخ کی صورت یہ ہے کہ ناسخ و منسوخ دونوں آیتیں تلاوت میں ثابت رہیں مگر منسوخ پر عمل نہ ہو جیسے بیوہ عورت کا عدہ متاعا الی الحول غیر اخراج والی آیت میں ایک سال قرار دیا گیا تھا اور وہ یتربصن بانفسهن اربعة اشهر وعشرا میں

منسوخ ہوگیا اور اُس کے بعد چار مہینہ دس ہی دن عدہ رہ گیا"

حقیقت یہ ہے کہ مستند روایات میں نسخ تلاوت کا کوئی ثبوت نہیں ہے اور وہ تمام روایات نقص وتحریف کو بتلاتے ہیں جنھیں اپنے مسلک اور صحابہ کے ساتھ حسن ظن کے خلاف دیکھ کر خواہ مخواہ کھینچ تان کر نسخ تلاوت کا جامہ پہنایا جاتا ہے لیکن وہ کسی طرح نسخ تلاوت پر منطبق نہیں ہوتے اور جو اُنکا مفاد ہے وہ اپنی جگہ باقی رہتا ہے۔

مذکورہ سابق تصریحات کے نتائج

مذکورہ بالا تمام بیانات سے بمطابق روایات اہلسنت حسب ذیل نتائج برآمد ہوتے ہیں:۔

(۱) قرآن مجید رسالت مآبؐ کے زمانہ میں جمع نہ ہوا تھا بلکہ وہ متفرق کاغذ کے پرزوں پتھر کے ٹکڑوں اور اسی قسم کی چیزوں پر درج تھا۔

(۲) رسالت مآبؐ کی وفات کے بعد جبکہ ایک کثیر جماعت حفاظ قرآن کی قتل ہو چکی اس وقت جمع قرآن کا خیال پیدا ہوا۔

(۳) جمع وترتیب کا کام ذاتی اعتماد کی بنا پر انفرادی حیثیت سے زید بن ثابت کے سپرد کر دیا گیا اور اس طرح اس کی تمام ذمہ داری صرف زید کی طرف عائد قرار پاتی ہے۔

(۴) زید بن ثابت دو گواہوں کی تصدیق کے بعد آیت کو درج کرتے تھے اس سے ان آیات کے تواتر کو صدمہ پہونچتا ہے اور نیز وہ آیات درج ہونے سے رہ گئے جن پر شہادت عدلین حاصل نہ تھی لہٰذا اس مجموعے کے مکمل ہونے کا یقین

کیونکر ہو؟

(۵) قرآن کا نظم ونسق اصلی ترتیب قرآن سے بالکل مخالف ہے سورتوں میں آگے کا پیچھے اور پیچھے کا آگے اور نیز آیات میں مقدم کا موخر اور موخر کا مقدم ہو گیا ہے۔

(۶) قرآن مجید سات حرفوں پر نازل کیا گیا تھا جن کے اعتبار سے صحابہ کی قرأت میں بھی اختلاف تھا لیکن حضرت عثمان نے چھ حرفوں کو ساقط کر کے تمام صحابہ کو ایک ہی قسم کی قرأت کا پابند بنا دیا۔

(۷) موجودہ قرآن میں بتصریح حضرت عائشہ وابن عباس وغیرہ کتابت کی غلطیاں پائی جاتی تھیں جن کی اصلاح نہ ہو سکی اور وہ اُسی غلط صورت پر حد تواتر کو پہونچ گیا۔

(۸) مصاحف قرآنیہ میں تغییر و تبدیل ہو گئی تھی جس کے مقامات کا علم بھی نہیں ہے۔

(۹) قرآن سے کثیر حصّہ ساقط ہو گیا ہے اور مکمل قرآن موجود نہیں ہے۔

اب اِن نتائج کے مطابق جن میں سے ایک حرف بھی میرا طبع زاد نہیں ہے اور نہ ایسا ہے کہ میں اُن تمام سے متفق ہوں بلکہ وہ تمام اُن احادیث و روایات کا لب لباب ہے جو مستند جوامع حدیث و کتب برادران اہلسنّت میں مذکور ہیں کیا ایمان بالقرآن کا دعوےٰ عقل و منطق کی رُو سے حق بجانب ہے۔؟

معیار اعتبار پر ایک عمیق نظر ڈالیے اور اُن روایات کو اُس پر منطبق کیجیے؟

پہلا جزو یہ کہ "کسی جزو میں بھی تحریف و تغییر کا یقین کیسا احتمال بھی نہ ہو"

ان روایات سے رخصت ہو گیا جن میں صاف طور پر اس قرآن میں تغییر و تبدیل اور اغلاط کتابت اور حذف و اسقاط کا اعتراف کیا گیا ہے۔

دوسرا جزو یہ تھا کہ "اگر تحریف و تغیر کا وجود ثابت ہو تو مستند وجوہ کی بنا پر اُن مقامات کی تعیین ہو جہاں وہ تغیر ہوا ہے یا اُن مطالب کی نوعیت معلوم ہو کہ جن کا اسقاط عمل میں آیا ہے اور باقی متعلق کوئی قطعی ضمانت ہو جو اُس کے کلام الٰہی اور واجب العمل ہونے کی دلیل ہو"۔ لیکن یہاں ایسا بھی نہیں" حضرت عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ کثیر حصہ قرآن کا ہاتھ سے جاتا رہا لیکن یہ نہ معلوم ہوا کہ وہ کثیر حصہ آیات قصص و مواعظ وغیرہ میں کا تھا یا آیات احکام؟

اور اُس کے ساقط ہو جانے سے موجودہ آیات کے معانی و مطالب پر کچھ اثر پڑا یا نہیں اس لیے کہ اکثر ایک آیت کے معنی میں دوسرے آیات کے ضمیمہ سے عظیم انقلاب پیدا ہو جایا کرتا ہے۔

اسی طرح حضرت ام المومنین عائشہ نے یہ فرمایا کہ سورۂ احزاب دو سو آیتوں سے زیادہ تھا مگر اُن آیات کی نوعیت کچھ نہ بتلائی۔ اس تحریف و تغییر اور حذف و اسقاط کی اجمالی اطلاع سے کیا ہر جزو مشکوک نہ ہوگا اور پھر جبکہ موجودہ باقی حصہ کی صحت کے لیے کوئی قطعی دلیل بھی تسلیم شدہ عقائد کی بنا پر موجود نہیں ہے اس لیے کہ فرزندانِ اسلام کی اکثریت نے رسول ص کے بعد کسی معصوم شخص کے وجود کو ضروری نہیں سمجھا ہے جو اسلامی آثار کا حقیقی محافظ

ہو بلکہ وہ تمام اشخاص کو جائز الخطار سمجھتے ہیں اور جائز الخطار اشخاص کا نتیجۂ عمل قطعی طور پر خطار کے احتمال سے بلند نہیں ہو سکتا لہذا اب برہانی حیثیت سے ایمان بالقرآن کا مستند کیا رہ جاتا ہے ؟ کچھ نہیں !

لیکن باوجود اس میں اس امر کا حق نہیں رکھتا کہ کسی کے ایمان بالقرآن کی نفی کروں اور نہ جیسا کہ تمہید میں کہہ چکا ہوں میں نے اس مقصد کے لیے قلم اُٹھایا ہے ہمارے سواد اعظم کے پاس ایک بنیاد موجود ہے جس پر وہ ایمان بالقرآن کی عمارت قائم کر سکتے ہیں اور وہ حسن ظن صحابہ کرام کے ساتھ ہے، یہ اُن کے خیال کے مطابق وہ مضبوط اساس ہے جس پر خلافت ایسے اہم مسئلہ کی بنیاد قرار پائی ہے چنانچہ عضد الدین ایجی نے کتاب مواقف میں حضرت علیؑ کی افضلیت کے ادلہ نقل کرنے کے بعد بسلسلہ جواب حسب ذیل عبارت تحریر فرمائی ہے۔

نحن وجدنا السلف قالوا ان الافضل ابو بکر ثم عمر ثم عثمان ثم علی وحسن الظن بھم یقتضی ان لم یعرفوا لم یطبقوا علیہ فوجب علینا اتباعھم فی ذلک القول وتفویض ماھو الحق الی اللہ

"ہم نے صدر اسلام کے لوگوں کو یہ کہتے ہوئے پایا کہ افضلیت بہ ترتیب خلافت ہے اور حسن ظن ان لوگوں کے ساتھ اس امر کا مقتضی ہے کہ اگر وہ اس امر کو پورے طور پر سمجھ نہ لیتے تو کبھی اس پر متفق نہ ہوتے لہذا ہم پر اس قول میں ان کا اتباع لازم ہے اور واقعاً حق کیا ہے اس کو خدا کے سپرد کرتے ہیں۔"

شارح مواقف نے بھی اس قول میں اُن سے اختلاف نہیں کیا ہے۔

(ملاحظہ ہو شرح مواقف مطبوعہ لکھنؤ ص ۷۴۳-۷۴۴)

اب جتنی بھی عقلی و نقلی دلیلیں پیش کی جائیں اُن سب کے مقابلہ میں حسن ظن صحابہ کے ساتھ کافی ہے اور وہی ایمان بالقرآن کا واحد مستند ہو سکتا ہے اور بس۔

قرآن مجید کے متعلق شیعی نقطۂ نظر

اس میں شبہہ نہیں کہ جوامع حدیث میں ایسے روایات موجود ہیں جن سے یہ امر ظاہر ہوتا ہے کہ قرآن مجید اصلی صورت پر باقی نہیں ہے بلکہ اُس میں کچھ نہ کچھ تغیر و تبدل پیدا ہوا ہے لیکن اُس کی نوعیت کیا ہے؟ اس میں یہ احادیث سب ایک ہی نقطہ پر مجتمع نہیں ہیں بلکہ اُن کے مفاد میں اختلاف ہے اور اس طرح یہ روایات چند اقسام کے تحت میں مندرج ہو جاتے ہیں۔ جن کو فہرست وار درج کرتے ہوئے کہیں کہیں علم رجال کے معیار پر سند کی تحقیق بھی کرتے جائیں گے۔

پہلی قسم وہ روایات جن سے صرف اختلاف ترتیب کا پتہ

چلتا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ یہ قرآن ترتیب نزول کے مطابق نہیں ہے

(۱) عن احمد بن علی القرشی عن محمد بن الفضل عن ابی حمزۃ الثمالی عن ابی جعفر علیہ السلام قال ما احد من ھذہ الامۃ جمع القران کما انزل بہ جبرئیل علیہ السلام علی محمد الا وصی محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم

ابو حمزہ ثمالی نے امام محمد باقرؑ سے نقل کیا ہے کہ حضرت نے فرمایا کسی شخص نے اِس امّت میں سے قرآن کو اُس طرح جمع نہیں کیا جس طرح اُس کو جبرئیل نے رسالتؐ پر نازل کیا تھا مگر وصی رسول (علیؑ) نے۔

(۲) محمد بن یحیی عن احمد بن محمّد عن ابن محبوب عن عمرو بن ابی المقدام عن جابر قال سمعت ابا جعفر علیہ السلام یقول ما ادّعی احد من الناس انہ جمع القران کلہ کما انزل الا کذّاب وما جمعہ وحفظہ کما نزّلہ اللہ الا علیّ بن ابی طالب والائمۃ من بعدہ

امام محمد باقر علیہ السّلام فرماتے ہیں کہ کوئی شخص عام لوگوں میں سے اس بات کا ادعا نہ کرے گا کہ اُس نے تمام قرآن کو جس طرح خدا نے نازل کیا تھا اُس صورت پر حفظ کیا ہے مگر یہ کہ وہ دروغ گو ہوگا۔ اُس کو اس صورت پر نہیں حفظ کیا مگر علی بن ابی طالبؑ نے اور ائمہ نے کہ جو آپ کے بعد تھے۔

اس روایت کو ثقۃ الاسلام ابو جعفر محمد بن یعقوب کلینیؒ نے اصول کافی میں اور محمد بن حسن صفار نے بصائر الدرجات میں درج کیا ہے۔ ان دونوں

حدیثوں کے مفاد پر نظر کی جائے تو وہ اتقان سیوطی والی اُس روایت سے بالکل مطابق ہے جس میں عکرمہ سے دریافت کیا گیا ہے کہ الفوہ کما انزل الاول فالاول "کیا صحابہ نے جس طرح قرآن کو خدا نے نازل کیا تھا اُسی صورت پر سلسلہ وار جمع کیا تھا" اور عکرمہ نے کہا ہے کہ لو اجتمعت الانس والجنّ علی ان یولفوہ ھذا التالیف ما استطاعوا

اس صورت سے تو اگر تمام جن وانس بھی جمع ہوتے قرآن مجید کو جمع نہ کر سکتے تھے۔"

بے شک اس مقولہ کی تعمیمی حیثیت میں جس تنگ نظری و کوتاہ بینی کا مظاہرہ موجود تھا اُس کی ان دونوں روایتوں میں استثنائی جملہ سے اصلاح کر دی گئی ہے۔

ان دونوں روایتوں سے ظاہر ہے کہ امیر المومنینؑ کے ترتیب دادہ قرآن میں یہ امر مخصوص تھا کہ وہ کیفیت ترتیب میں عنوان نزول کے مطابق تھا اور اسی کے مطابق علمائے اہل سنّت کے روایات سابق میں ذکر ہو چکے ہیں۔

دوسری خصوصیت وہ ہے جس کا تذکرہ احتجاج طبرسی کی ایک طویل روایت کے ذیل میں ہوا ہے کہ فلمّا رائی علی علیہ السلام غدرھم وقلة وفاھم لزم بیتہ واقبل علی القرآن یولفہ ویجمعہ فلم یخرج حتی جمعہ کلہ فکتبہ علی تنزیلہ والناسخ والمنسوخ۔

"جب امیر المومنینؑ نے لوگوں کی بے اعتنائی کا مشاہدہ کیا تو اپنے

گھر میں گوشہ نشینی اختیار فرمائی اور قرآن مجید کے جمع و تالیف میں مشغول ہو گئے اور اُس وقت تک گھر سے باہر تشریف نہ لائے جب تک کہ اُس کو پورا جمع نہ کر لیا اور اُس کو ترتیب نزول کے مطابق ناسخ و منسوخ کے ساتھ تحریر کیا۔"

اسی کے مطابق محمد بن سیرین کی روایت تاریخ الخلفاء سیوطی میں بھی موجود ہے۔ جہاں تک میرا خیال ہے ترتیب نزول کے مطابق مرتب ہونا قرآن کا خود ایک حد تک ناسخ و منسوخ کی تعیین کا ذمہ دار ہے اس لیے کہ مقدم کا مؤخر اور مؤخر کا مقدم ہو جانے کی صورت میں یقیناً اگر خارجی روایات سے معلوم نہ ہو تو ناسخ و منسوخ میں اشتباہ ہو جانا ناگزیر ہے مثلاً یہی کہ جب انسان قرآن میں تعیین عدّۂ وفات کی آیت " واربعة اشهر وعشرا کو پہلے اور متاعا الی الحول والی آیت کو بعد دیکھ رہا ہے تو کیوں نہ یہ سمجھے گا کہ ایک سال مقرر کرنے والی آیت ناسخ اور چار مہینہ دس دن کی آیت منسوخ ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ممکن ہے کہ جناب امیر کے قرآن میں تفسیری حواشی کے طور پر ناسخ و منسوخ کی تعیین بھی کر دی گئی ہو اور اسی لیے محمد بن سیرین نے کہا ہے کہ لواصیب ذلك الكتاب كان فيه العلم" اگر وہ قرآن لوگوں کے ہاتھ میں پڑ جاتا تو ایک بڑا علمی ذخیرہ دستیاب ہوتا (تاریخ الخلفاء صفحہ ۱۸۴)

دوسری قسم وہ احادیث جن سے قرآن موجود میں اجمالی طور پر کمی پائے جانے کا پتہ چلتا ہے مثلاً عن علی بن الحکم عن عن هشام بن سالم قال سألت ابا عبد الله عليه السلام عن سورة

الاحزاب فقال کانت مثل سورة البقرة مثلها ومثل ثلثیها یشلم بن سالم نے امام جعفر صادقؑ کا ارشاد نقل کیا ہے کہ سورۂ احزاب بقرہ کا اتنا اور اس کے دو ثلث کے برابر تھا" (۲) عن القیم بن الایادی عنہ صلوات اللہ علیہ قال کانت سورة الاحزاب سبع مائة آیة۔ ارشاد ہوا ہے کہ سورۂ احزاب میں سات سو آیتیں تھیں

(۳) عن سماعة عن ابی بصیر قال قلت لابی جعفر علیہ السلام ان الناس یقولون قد ذھب من سورة الاحزاب شئ کثیر قال سبحان اللہ ما ذھب نفیہ قلت این ھو قال ھو واللہ عندنا۔

ابوبصیر کا بیان ہے کہ میں نے امام محمد باقرؑ کی خدمت میں عرض کیا لوگ کہتے ہیں کہ سورۂ احزاب میں سے کثیر حصہ تلف ہوگیا آپ نے فرمایا جو کچھ تلف شدہ کہا جاتا ہے وہ موجود ہے۔ میں نے کہا کہاں؟ فرمایا ہمارے پاس" ان روایات کے بالکل مطابق حضرت ام المومنین عائشہ کا بیان اتقان سیوطی سے سابق میں درج ہوچکا ہے اور اس کے متعلق کافی روشنی ڈالی جاچکی ہے۔ لیکن احمد بن محمد سیاری جن کی کتاب ان احادیث کا ماخذ ہے اُن کے متعلق شیخ الطائفہ نے فہرست میں لکھا ہے ضعیف الحدیث فاسد المذھب مجفو الروایة کثیر المراسیل اور علامہ نے فرمایا ہے کثیر المراسیل اور نجاشی نے بھی کہا ہے فاسد المذھب اور کشی کی روایت ہے کہ امام محمد تقیؑ نے اس شخص پر اظہار بے اعتمادی کیا تھا۔ فاسد المذہب کی لفظ سے صاف ظاہر ہے کہ یہ شخص مذہبی حیثیت سے فرقہ شیعہ سے تعلق نہ رکھتا تھا

اس لیے اُس کے روایات کی ذمہ داری ہم پر عائد کرنا کیا معنی رکھتا ہے۔

(۴) عن محمد بن یحییٰ عن احمد بن محمد عن علی بن الحکم عن هشام بن سالم عن ابی عبد الله علیه السلام قال ان القرآن الذی جاء به جبرئیل الی محمد صلی الله علیه و آله سبعة عشر الف آیة۔

امام جعفر صادقؑ کا ارشاد ہے کہ وہ قرآن جو رسالت آبؐ پر نازل ہوا تھا اُس میں سترہ ہزار آیتیں تھیں، اس روایت کو کلینیؒ نے کافی میں درج کیا ہے لیکن سلسلۂ سند ذکر کر کے ذمہ داری کو اپنے اوپر سے ہٹا دیا ہے اور باخبر مطالعہ کرنے والے کے لیے تحقیق رجال کا دروازہ کھلا رکھا ہے۔

اس روایت کا استناد بھی احمد بن محمد سیاری کی جانب ہے جن کے متعلق اس کے قبل روشنی ڈالی جا چکی ہے اور پھر خود سیاری کی کتاب میں محدث نوری کے بیان کے مطابق عشرہ الف آیۃ یعنی دس ہزار آیتوں کا ذکر ہے اور کافی کے بعض نسخ میں سبعہ آلاف یعنی صرف سات ہزار آیتیں ہیں اور ملا محسن فیض کاشانی نے وافی میں جو اس حدیث کو اصول کافی سے نقل کیا ہے تو اُس میں یہ لفظ سبعة الاف ہی درج ہے اس اختلاف نسخ اور اضطراب متن کے باوجود کہاں وثوق ہو سکتا ہے کہ امام علیہ السّلام نے کیا تعداد بتلائی تھی

اور پھر روایت سے صریحی طور پر نقص ثابت بھی نہیں ہوتا اس لیے کہ آیات کی تحدید فواصل کے اعتبار سے مقرر کی گئی ہے اور وسط آیات میں اکثر مقامات پر وقف لازم اور وقف جائز وغیرہ کے علامات مختلف صورتوں

میں پائے جاتے ہیں جو قرار کے اجتہادات کا نتیجہ ہیں اور جن میں قرار سب ایک نقطہ پر مجتمع بھی نہیں ہیں تو کیا نہیں ممکن کہ فواصل کی شناخت اور ابتدا و اختتام کی تعیین میں فسیر و گذاشت ہوئی ہو اور اس لحاظ سے آیات کی تعداد میں اختلاف پیدا ہو جائے اور یہی اس روایت کا مفاد ہو۔

تیسری قسم وہ روایات جن سے خاص خاص آیات میں بعض مخصوص الفاظ کی تغییر و تبدیل اور کمی کا پتہ چلتا ہے جنھیں محدث نوری نے فصل الخطاب میں سلسلہ وار درج کیا ہے اور اُن میں سے اکثر اگرچہ سیاری کے روایات ہیں جو انھوں نے اپنی کتاب القراوات میں جس کا دوسرا نام "التنزیل والتحریف" ہے درج کیے ہیں اور درحقیقت محدث نوری کو فصل الخطاب لکھنے کا زیادہ شوق اسی کتاب کو دیکھ کر پیدا ہوا تھا اس لیے کہ اس کتاب کا موضوع ہی شروع سے آخر تک یہی ہے اور سیاری کے درجۂ اعتبار کی حقیقت اس کے قبل کھُل چکی ہے لیکن ان روایات میں ایسی بھی احادیث ہیں کہ جو دیگر جوامع حدیث میں مختلف طرق و اسانید سے مذکور ہیں۔

ان روایات میں اکثر ایسے اختلافات کا پتہ ہے جو صرف الفاظ کے طریق استعمال سے تعلق رکھتے ہیں اور جن سے معنی پر کوئی اثر نہیں پڑتا اور ان کی اہمیت اُس اختلاف سے زیادہ نہیں ہے کہ جو قرار سبعہ کی ساتوں مشہور قرأتوں میں عام کتب تفسیر و قرأت میں مذکور ہے مثلاً

صراط الذین انعمت علیھم کے بجائے صراط من انعمت علیھم

ولا الضالین	وغیر الضالین
اھدنا الصراط المستقیم	اھدنا السراط المستقیم
مالک یوم الدین	ملک یوم الدین

اور بعض روایات وہ ہیں کہ جن میں مختلف آیات قرآن میں بعض الفاظ کے کم ہونے کا پتہ دیا گیا ہے جیسے

وان کنتم فی ریب ممانزلنا علی عبدنا (فی علی) فاتوا بسورۃ من مثلہ فبدل الذین ظلموا (آل محمد حقہم) قولا غیر الذی قیل لھم فانزلنا علی الذین ظلموا (آل محمد حقہم) رجزا۔

بئسما اشتروا بہ انفسھم ان یکفروا بما انزل اللہ (فی علی) بغیا۔

واذا قیل لھم آمنوا بما انزل اللہ (فی علی) قالوا نؤمن بما انزل علینا۔

وغیرہ ان روایات کے متعلق اکثر محققین کا یہ خیال ہے کہ اس قسم کے الفاظ تفسیر و تاویل کے طور پر تھے جو بیان مراد کے لیے جبرئیل امین کے توسط سے جناب رسالت مآبؐ تک پہونچائے جاتے تھے اور رسالت مآبؐ کی طرف سے اگرچہ موقع بموقع اُن کے مفاد کا اظہار ہو جایا کرتا تھا لیکن تعلیم قرآن میں عام طور پر صحابہ کو اُن تفاسیر کے بتلانے کی ضرورت نہ تھی اور وہ حضرتؐ کے پاس اور حضرت کے بعد اُن کے وارث علم کے پاس محفوظ تھے۔ امیر المومنینؑ نے جو قرآن جمع کیا تھا وہ اُن تاویلات کو بھی اپنے اندر لیے ہوئے تھا جو تفسیری حواشی کے طور پر درج

کیے گئے تھے اور اس کی تصدیق اُس روایت سے ہوتی ہے جو احتجاج طبرسی میں حضرت امیرالمومنینؑ کی زبانی ایک زندیق کے جواب میں وارد ہوئی ہے اُس میں حضرت نے فرمایا ہے۔

ولقد جئتھم بالکتاب کملا مشتملا علی التاویل والتنزیل والمحکم والمتشابہ والناسخ والمنسوخ اس سے صاف ظاہر ہے کہ وہ قرآن صرف متن قرآن پر مشتمل نہ تھا بلکہ اُس میں تاویل و تنزیل اور محکم اور متشابہ اور ناسخ و منسوخ سب کا بیان مندرج تھا۔

جہاں تک میرا خیال ہے تنزیل سے بھی مراد متون الفاظ قرآن نہیں ہیں بلکہ تنزیل سے مراد قرآن کا اصلی مورد و نزول ہوا کرتا ہے یعنی وہ معنی جس کے ظاہر کرنے کے لیے خاص طور پر وہ آیت نازل ہوئی ہے اور تاویل اُس کے لوازم اور وہ موارد ہیں جن پر تعمیمی حیثیت سے اُس آیت کا انطباق ہے یا باطنی طور پر ان کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور اس کے ثبوت میں میرے پیش نظر اصول کافی کی حدیث طویل ہے جو "باب فیہ نکت ونتف من التنزیل فی الولایۃ" میں درج ہے۔ جس میں سائل نے مختلف آیات قرآن کے معانی دریافت کیے ہیں اور اکثر معانی کے بتلانے پر سائل نے دریافت کیا ہے کہ یہ تنزیل ہے یا تاویل اور حضرت نے کہیں فرمایا ہے تنزیل ہے اور کہیں تاویل۔

محمد بن الفضیل عن ابی الحسن الماضیؑ قال سألتہ عن قول اللہ عزوجل یریدون لیطفئوا نور اللہ بافواھھم قال یریدون

لیطفئوا ولایۃ امیر المومنین بافواھھم قلت واللہ متم نورہ قال واللہ متم الامامۃ لقولہ عزوجل الذین آمنوا باللہ و رسولہ والنور الذی انزلنا فالنور ھو الامام قلت ھو الذی ارسل رسولہ بالھدی ودین الحق قال ھو الذی امر رسولہ بالولایۃ لوصیہ والولایۃ ھی دین الحق قلت لیظھرہ علی الدین کلہ قال یظھرہ علی جمیع الادیان عند قیام القائمؑ قال یقول اللہ واللہ متم ولایۃ القائم ولو کرہ الکافرون بولایۃ علی قلت ھذا تنزیل قال نعم اما ھذا الحرف فتنزیل واما غیرہ فتاویل۔

محمد بن فضیل نے امام رضاؑ سے سوال کیا کہ اس آیت کے کیا معنی ہیں یریدون لیطفئوا نور اللہ بافواھھم حضرت نے فرمایا یعنی یہ لوگ چاہتے ہیں کہ ولایت امیر المومنینؑ کو محو کر دیں واللہ متم نورہ یعنی خدا امامت کے مسئلہ کو پورا کرنے والا ہے ھو الذی ارسل رسولہ بالھدی ودین الحق یعنی خدا نے اپنے رسول کو مامور کیا تبلیغ ولایت پر اور ولایت دین حق ہے لیظھرہ علی الدین کلہ یعنی قیام حضرت حجت کے وقت وہ تمام ادیان پر غالب آجائے گا۔

اور خداوند عالم نے یہ فرمایا ہے کہ خدا ولایت حضرت حجت کو تمام کرے گا۔ اگرچہ ولایت علیؑ کے منکر اس کو پسند نہ کریں۔

سائل نے پوچھا کہ یہ جو آپ نے فرمایا تنزیل ہے؟ یعنی اصلی نور نزول

آیت ہے حضرت نے فرمایا ہاں جو میں نے کہا وہ تنزیل ہے۔

اور اس کے علاوہ جو دوسری چیزیں ہوں وہ تاویل میں داخل ہیں پھر لما سمعنا الھدی امنا کے متعلق ارشاد ہوا الھدی الولایۃ امنا بمولانا فمن امن بولایۃ مولاہ فلا یخاف بخسا ولا رھقا "ہدیٰ سے مراد ولایت ہے تو جو شخص اپنے مولا کی ولایت پر ایمان لایا اس کو کچھ خوف نہ کرنا چاہیے" سائل نے پوچھا "تنزیل" یہ تنزیل ہے؟ فرمایا لا تاویل" نہیں یہ تاویل ہے اور اسی صورت پر حضرت نے بعض معانی کو تنزیل فرمایا ہے اور بعض کو تاویل یہاں تک کہ سب کے آخر میں جو بہت صریح ہے وہ یہ ہے کہ سائل نے پوچھا ھذا الذی کنتم بہ تکذبون کے کیا معنی ہیں؟ حضرت نے فرمایا یعنی امیرالمومنین اس سے مراد امیرالمومنین ہیں۔ سائل نے پوچھا تنزیل یہ تنزیل ہے؟ حضرت نے فرمایا ہاں"۔

یعنی امیرالمومنین" کی لفظ کے صاف یہ معنی ہیں کہ امیرالمومنین کی لفظ جزو آیت نہیں ہے بلکہ ھذا الذی کی لفظ سے مراد و مقصود ہے اس پر سائل کا یہ پوچھنا کہ یہ تنزیل ہے یا تاویل اور حضرت کا فرمانا تنزیل ہے .... اس کی صاف دلیل ہے کہ تنزیل بھی معانی کے قبیل سے ہے نہ الفاظ سے۔

اور یہ بھی ممکن ہے کہ تنزیل سے مراد وہ تفسیر ہو جو خداوند عالم کی جانب سے الفاظ قرآن کے ساتھ نازل ہوئی تھی اور تاویل وہ تفسیر ہے جو

غیر نازل شدہ ہے لیکن الفاظ کی مراد اصلی ہے اور اس صورت میں یہ حدیث اُس دعوے کا صریحی شاہد ہو گا کہ قرآن مجید کے ساتھ بعض الفاظ شرح کے طور پر بھی نازل ہوے تھے کہ جو حقیقۃً متن قرآن کا جزو نہیں لیکن منزّل من اللہ ضرور تھے۔

اور جب تنزیل بھی تفسیر کے قبیل سے ہو گئی تو اب اُن روایات کے بھی معنی دوسری صورت پر ظاہر ہوں گے جن میں یہ ہے کہ امیر المومنینؑ نے قرآن کو اُس کی تنزیل پر جمع کیا جیسے سلمان کی روایت جس کو کتاب سلیم بن قیس ہلالی اور احتجاج طبرسی میں نقل کیا گیا ہے اور اُس میں یہ ہے کہ فکتبه علی تنزیله والناسخ والمنسوخ۔ اس کے بھی معنی یہ ہیں کہ حضرت نے قرآن کو اُس تفسیر کے مطابق تحریر کیا جو حضرت اقدس الٰہی کی جانب سے الفاظ کے لیے بتوسط جبرئیل پہونچائی گئی تھی۔

اور احتجاج کی سابق روایت سے یہ معلوم ہوا کہ اس میں تنزیل کے ساتھ تاویل بھی مذکور تھی اور درحقیقت اگر خود اُن الفاظ کی نوعیت پر نظر کی جائے جن کا اضافہ روایات مذکورہ میں آیات قرآن کے ساتھ کیا گیا ہے اور آیات کے موجودہ الفاظ کے ساتھ ان کے جوڑ کا لحاظ کیا جائے تو کچھ نوعیت بھی ان الفاظ کی تفسیر ہی کی سی نظر آتی ہے اور ذوق وسلیقہ کے لحاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ جزو متن نہیں ہیں، لطف یہ ہے کہ یہی روایت احتجاج کی جس میں امیر المومنینؑ والے قرآن کے تاویل و تنزیل دونوں پر مشتمل ہونے کا تذکرہ ہے ان اشخاص کا مایۂ ناز مستند ہے جو شیعوں سے

عقیدۂ تحریف کو رائی کا پہاڑ بنا کر پیش کرتے ہیں حالانکہ جب اُس سے یہ امر ظاہر ہو گیا کہ امیر المومنینؑ کا قرآن متون الفاظ قرآن کے ساتھ تاویل وتفسیر کے اوپر بھی مشتمل تھا تو اس کی کیا ذمہ داری ہے کہ اُس میں جس قسم کے نقص و تغیر کا پتہ دیا گیا ہے وہ اصلی الفاظ قرآن سے تعلق رکھتا ہے؟ اور پھر جبکہ اُس میں دوسرے الفاظ بھی اس کے مؤید موجود ہیں۔

درحقیقت روایت مذکورہ سے قطعی طور پر جو کچھ نکلتا ہے وہ دو چیزیں ہیں۔

ایک تحریف معنوی یعنی معانی و تاویلات قرآن میں تغیر و تبدیل جو مختلف آیات قرآن میں ہمیشہ کی گئی اور کی جاتی ہے اور دوسرے ترتیب قرآن کا بگڑنا یعنی ایک جگہ کی آیت کا دوسری جگہ ہونا چنانچہ ہم مخصوص طور اُن فقرات کی شرح درج کرتے ہیں جنھیں مخالف حلقوں کی جانب سے بطور دلیل پیش کیا جا رہا ہے۔

پہلا فقرہ ثم دفعھم الاضطرار بورود المسائل عمّا لا یعلمون تاویلہ الی جمعہ وتالیفہ وتضمینہ من تلقائھم ما یقیمون بہ دعائم کفرھم فصرح منادیھم من کان عندہ شیء من القرآن فلیأتنا بہ ووکلوا تالیفہ ونظمہ الی بعض من وافقھم الی معاداۃ اولیاء اللہ فالفہ علی اختیارھم۔

"پھر امیر المومنینؑ کے ترتیب دادہ قرآن کے واپس کرنے کے بعد،

جب ایسے آیات کے متعلق سوالات پیدا ہوئے جن کی تاویل سے وہ واقف نہ تھے تو اُن کو ضرورت پڑی کہ اُس کی جمع و تالیف کریں اور اس کو اپنے دل سے ایسے معانی کا جامہ پہنائیں جن کے ذریعے سے اُن کی حق پوشی کے ستون قائم ہوتے ہیں اُس وقت اُن کے منادی نے آواز دی کہ جس کے پاس کوئی حصّہ بھی قرآن کا ہو وہ لے کر ہمارے پاس آئے اور اُس کی تالیف و ترتیب کو بعض ایسے اشخاص کے سپرد کیا۔ جو دوستان خدا (اہل بیت) کی مخالفت میں اُن کے موافق تھے اور اُنھوں نے اُس کو اپنی صواب دید کے مطابق مرتب کیا۔"

الفاظ قرآن کے حذف اور اسقاط اور تغیر و تبدیل کے ساتھ تاویل سے ناواقفیت کو کوئی تعلق نہیں ہے حالانکہ مذکورۂ بالا عبارت میں اُس کاوش دکاوش کا سبب غیر معلوم التاویل آیات کے متعلق سوال پیدا ہونے کو قرار دیا گیا ہے لہٰذا یقیناً تضمینہ من تلقاھم مایقیمون بہ دعائم کفرھم کے معنی وہی ہیں جن کو ہم نے ترجمہ میں ملحوظ رکھا ہے یعنے تضمینہ کی ضمیر کا مرجع قرآن ہے جو الفاظ کے قبیل سے ہے اور ما یقیمون کے اسم موصول سے معنی مراد ہیں اور مقصود یہ ہے کہ انھوں نے الفاظ قرآن کو اپنے دل سے (اگرچہ حقیقۃً وہ متضمن نہیں ہیں) ایسے ایسے معانی پر مشتمل قرار دیا جن سے اُن کی حق پوشی کے ستون محکم ہوتے ہیں۔

اب کوئی بتلائے کہ اس کو الفاظ قرآن میں زیادتی و کمی سے کیا تعلق ہے؟

دوسرا فقرہ ان الکنایۃ عن اسماء ذوی الجرائر العظیمۃ من المنافقین لیست من فعلہ تعالیٰ وانھا من فعل المغیرین والمبدلین الذین جعلوا القرآن عضین واعتاضوا الدنیا من الدین۔

بڑے بڑے جرم کرنے والے منافقوں کے ناموں کو صرف کنایہ کے طور پر ذکر کرنا خدا کا کام نہیں ہے کیونکہ اُس نے تو تفسیری حواشی میں اُن کے اسماء کو صاف طور پر ذکر کر دیا تھا، یہ تو اُن تغییر و تبدیل کرنے والوں کا نتیجۂ کار ہے جنھوں نے قرآن کو مبہم بنا دیا اور دنیا کو دین کے عوض میں حاصل کیا۔"

کیا اس میں کوئی شبہ ہے کہ اگر وہ تفاسیر جو خداوند عالم نے آیات قرآن کے ساتھ بطور خود نازل کیے تھے آج محفوظ ہوئے تو قرآن فہمی کے لیے وہ روشنی ہاتھ آتی جس کے بعد شک وشبہ کا امکان نہ رہتا۔

تیسرا فقرہ والذی بدا فی الکتاب من الازراء علی النبی صلی اللہ علیہ والہ من فریۃ الملحدین "یہ جو کتاب الٰہی کے اندر بادی النظر میں رسالت مآبؐ کے خلاف شان باتیں نظر آتی ہیں یہ صحیح راستے سے ہٹ جانے والوں کی تراش خراش کا نتیجہ ہیں کہ انھوں نے صحیح تاویلات کو چھوڑ کر نئے نئے معانی اپنے دل سے تراش لیے۔

چوتھا فقرہ واما ظھورک علی تناکر قولہ فان خفتم الا

تقسطوا فی الیتامیٰ فانکحوا ما طاب لکم من النساء ولیس یشبہ القسط فی الیتامیٰ نکاح النساء فھو مما قدمت ذکرہ من اسقاط المنافقین من القرآن وبین القول فی الیتامیٰ وبین نکاح النساء من الخطاب والقصص اکثر من ثلث القرآن وھذا وما اشبھہ مما ظھرت حوادث المنافقین فیہ لاھل النظر والتأمل ووجد المعطلون واھل الملل المخالفین للاسلام مساغا الی القدح فی القرآن۔

آیت قرآن فان خفتم الّا تقسطوا فی الیتامیٰ فانکحوا ما طاب لکم کے متعلق جو اعتراض ہے اُس کا منشا، درحقیقت ظاہرداُ افراد کا درمیان کی آیتوں کو ہٹا دینا ہے۔ اور یتامی والے فقرہ اور نکاح نسار کے درمیان میں ثلث قرآن سے زیادہ خطاب و قصص وغیرہ تھے اور یہی اور اُس کی ایسی دوسری چیزیں ہیں جن میں ان لوگوں کی کارستانی اہل نظر و فکر کو معلوم ہوتی ہے اور اس کی وجہ سے مخالفین اسلام کو قرآن مجید پر اعتراض کا موقع ملتا ہے"

اب بتلائیے کہ متفرق پرزوں اور پتھر کے ٹکڑوں میں سے اگر دو فقرے ایسے ملے جن میں سے درحقیقت ایک اول قرآن کا اور ایک آخر قرآن کا تھا۔ لیکن ناواقفیت کی جہت سے اُن کو ملا کر درج کر دیا گیا تو کیا یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ ان دونوں میں پورے تیس پاروں کا فاصلہ تھا اور وہ فاصلہ ان کے درمیان سے ساقط کر دیا گیا؟ کیا اُس کے معنی یہ ہوں گے کہ

وہ تیس پارے اب کہیں ہیں ہی نہیں اور ناقص ہو گئے ہیں ؟ ہرگز نہیں بلکہ وہ پارے اس کے قبل اور بعد متفرق طور پر درج کیے گئے ہیں لیکن ترتیب کی خرابی سے اُن دو آیتوں کا افتراق اتصال سے بدل گیا، پھر امام کا یہ فرمانا کہ ان دونوں آیتوں میں ثلث قرآن سے زیادہ کا فاصلہ تھا اور وہ فاصلہ اب ساقط ہو گیا کیونکہ اس امر کی دلیل ہو گا کہ وہ ثلث قرآن قرآن کے اندر ہی سے حذف ہو گیا اور اب موجود نہیں ہے۔ بلکہ وہ ممکن ہے کہ دوسرے مقامات پر متفرق طور سے موجود ہو۔ درحقیقت اس فقرہ سے سوائے اختلاف ترتیب کے کوئی نتیجہ نکالا نہیں جا سکتا۔

ترتیب کے اختلاف ہی کی بدولت نقص و زیادتی کا اطلاق بھی قرآن میں صحیح ہو جاتا ہے اس لیے کہ جس مقام کی آیت ہٹا کر دوسرے مقام پر منتقل کی جائے گی وہ پہلے مقام سے ناقص اور دوسرے مقام پر زائد ہو گی اور اسی طرح۔

پانچواں فقرہ بھی حل ہو جاتا ہے کہ زادوا فیہ ما ظہر تناکرہ وتنافرہ " اُس میں (موقع موقع) ایسے جملے زیادہ ہو گئے جن کی اجنبیت (اس مقام سے جہاں وہ بڑھائے گئے ہیں) اور مغایرت (اسی مقام سے) ظاہر ہے۔

ان تشریحات کے ساتھ ہمیں اس روایت کے تسلیم کرنے میں کوئی عذر نہیں ہے۔ والا قرآن مجید میں زیادتی کا قول جو ظاہر بیں افراد کو اس روایت سے سمجھ میں آتا ہے وہ سلف و خلف کے متفقہ اقوال اور اجماع

امامیہ کے خلاف ہے اور یہی اُس روایت کے ناقابل اعتبار سمجھے جانے کا کافی ستند ہے اور پھر درصورتیکہ اُس کی کوئی اطمینان بخش کیسی غیر اطمینان بخش سند بھی نہیں ہے یعنے علامۂ طبرسی نے اس کو بغیر کسی اسناد کے مرسل طور پر نقل کیا ہے۔

رہ گیا اُن کا دیباچہ میں یہ کہہ دینا کہ میں اُن روایات کو نقل کروں گا جو میری نظر میں مستند اور قابل وثوق ہیں" یہ کسی صورت سے اُس روایت کے اعتبار کی دلیل نہیں ہوسکتا اس لیے کہ اُن کی نظر میں کسی روایت کا قابل اعتبار ہونا اُس کو محققانہ میزان پر قابل اعتبار نہ بنادے گا ورنہ تحقیق رجال اور علم درایت و روایت کا دروازہ بالکل بند ہو جاتا اور علما کے روایات تحقیق رجال سے مستغنی سمجھے جاتے حالانکہ تحقیق شیوہ علمائے شیعہ نے تو اصول کافی کے احادیث کو بھی جرح و تعدیل کے موازنہ سے بلند نہیں قرار دیا ہے اور وہ اُس کی روایت کو بھی بغیر تحقیق قبول نہیں کرلیتے پھر احتجاج طبرسی کی روایت کا جو سند کے بغیر ہو کیا وزن سمجھا جاسکتا ہے ؟؟!

چوتھی قسم وہ روایات جن میں اجمالی طور سے تحریف کا پتہ دیا گیا ہے لیکن تحریف کی نوعیت اُن سے ظاہر ہو جاتی ہے جیسے احتجاج کی روایت جو ابوذر غفاریؓ سے منقول ہے اُن کا بیان ہے کہ جناب رسالت مآبؐ کی وفات کے بعد امیرالمومنینؑ نے قرآن جمع کیا اور مہاجرین و انصار کے مجمع میں لاکر پیش کیا فلما فتحہ ابوبکر خرج فی اول صفحۃ فتحہا فضائح القوم فوثب عمر و قال یا علی اردده فلا حاجۃ لنا

فیہ فاخذہ علیٌ علیہ السلام وانصرف ثم احضر زید بن ثابت وکان قاریا للقرآن فقال لہ عمر انّ علیا جاء نا بالقرآن وفیہ فضائح المہاجرین والانصار وقد رأینا ان نؤلف القرآن و نسقط منہ ماکان فضیحۃ وھتکا للمہاجرین والانصار فاجابہ زید الی ذلک حضرت ابوبکر نے جو اُس کو کھولا تو سب سے پہلے وہی مقام نکلا جہاں فضائح قوم مذکور تھے۔ بس حضرت عمر نے آگے بڑھ کر کہا کہ یا علی اس کو آپ واپس لے جائیے ہم کو اس کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ سن کر حضرت علیؑ نے اُس کو لے لیا اور واپس گئے۔ پھر حضرت ابوبکر نے زید بن ثابت کو بلوایا اور حضرت عمر نے اُن سے کہا کہ علی ہمارے پاس قرآن لائے تھے جس میں بہت سے مہاجرین وانصار کی نسبت رسواکن باتیں ہیں۔ اب ہماری رائے قائم ہوئی ہے کہ ہم خود قرآن کو جمع کریں اور اُس میں جو کچھ مہاجرین و انصار کے معائب ہوں ان کو حذف کردیں۔ زید نے اُن کے حکم کو منظور کیا۔

(۲) عن العیاشی عن الصادق علیہ السلام لو قرء القرآن کما انزل لالفیتمونا فیہ مسمّین" اگر قرآن اُس طرح پڑھا جاتا جس طرح نازل ہوا تھا تو تم ہمارے اسمار اُس میں مذکور پاتے۔

(۳) عن النعمانی عن امیر المومنین علیہ السلام کانّی بالعجم فساطیطھم فی مسجد الکوفۃ یعلّمون الناس القرآن کما انزل قلت یا امیر المؤمنین اولیس ھو کما انزل فقال لا محی منہ سبعون من قریش۔

نعمان نے امیر المومنینؑ سے نقل کیا ہے کہ گویا میں (زمانہ حضرت حجت میں) عجموں کے خیمے مسجد کوفہ میں دیکھ رہا ہوں کہ وہ لوگوں کو قرآن کی تعلیم اُس صورت پر دے رہے ہیں جس طرح وہ نازل ہوا تھا۔ راوی نے عرض کیا یا امیر المومنین کیا وہ صورت نزول پر نہیں ہے۔ فرمایا نہیں اُس میں سے ستر آدمیوں کے قریش میں سے نام نکال دیئے گئے ہیں۔"

اور اسی قبیل کے روایات جن میں سے اکثر مراسیل اور ضعاف ہیں لیکن تعدد و تکثر کی بناء پر اُن کے اجمالی مفاد کا ثابت ہو جانا بعید نہیں ہے کہ کہیں کہیں پر سے ایسے اسماء و تصریحات جو سیاست وقت کے خلاف تھے حذف و اسقاط کی نذر ہوئے لیکن ان روایات میں بھی اس امر کی کوئی ضمانت نہیں ہے کہ وہ تصریحات متن قرآن کا جزو تھے بلکہ یہ توجیہ کہ وہ تصریحات معنائے تنزیلی کے قبیل سے تھے اِن روایات میں بھی کافی گنجائش رکھتی ہے۔

علماء میں اتفاق و اختلاف

قرآن مجید کے متعلق دو جز ایسے ہیں جو علمائے شیعہ میں نقطۂ اتفاق ہیں۔ ایک یہ کہ قرآن مجید میں زیادتی نہیں ہوئی ہے اور موجودہ قرآن جتنا ہے وہ کلام الٰہی و وحی آسمانی ہے۔ دوسرے یہ کہ قرآن کی ترتیب اصلی سلسلۂ نزول کے مطابق نہیں ہے اور اس میں تقدیم و تاخیر ہوئی

ہے۔ لیکن اس کے بعد کسی اور قسم کی تحریف کے متعلق علماء کا نقطہ خیال مختلف ہوگیا ہے۔

بہت سے بڑے علماء اور روسائے ملّت تحریف کے بالکل منکر ہیں اور قرآن موجود میں کسی جزو کے بھی اسقاط اور تغیر و تبدیل کو تسلیم نہیں کرتے جن میں سے بعض اکابر کے اسماء درج ذیل ہیں۔

(۱) حافظ الاخبار شیخ صدوق محمد بن علی بن بابویہ قمی علیہ الرحمہ اپنے اعتقادات میں تحریر فرماتے ہیں۔

اعتقادنا ان القرآن الذی انزلہ اللہ تعالیٰ علی نبیہ محمّد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ھو ما بین الدفتین وھو ما فی ایدی الناس لیس باکثر من ذلک ...... ومن نسب الینا انا نقول انہ اکثر من ذلک فھو کاذب۔

ہمارا اعتقاد یہ ہے کہ قرآن جس کو خدا نے اپنے نبی محمدؐ پر نازل کیا تھا وہ یہی ہے کہ جو موجود اور لوگوں کے ہاتھ میں متداول ہے اور وہ اس سے زیادہ نہ تھا...... اور جو شخص ہماری طرف یہ نسبت دے کہ ہم قرآن کو موجودہ مقدار سے زیادہ کہتے ہیں غلط گو ہے۔"

(۲) سید مرتضیٰ علم الہدیٰ علیہ الرحمہ نے مسائل طرابلسیہ میں تحریف قرآن کا انکار کرتے ہوئے لکھا ہے کہ تحریف قرآن کا قول ایک جماعت کی طرف ناقلین حدیث میں سے منسوب ہے جنھوں نے اخبار ضعیفہ نقل کرکے خیال کیا ہے کہ وہ صحیح ہیں لیکن یہ اخبار ان یقینی و غیر مشکوک وجوہ کا مقابلہ نہیں

کر سکتے جو ہمارے قول کی صحت کو بتلاتے ہیں۔

(۳) شیخ الطائفہ محمد بن الحسن طوسیؒ اپنی عظیم الشان تفسیر تبیان میں تحریر فرماتے ہیں۔

اما الکلام فی زیادتہ ونقصانہ یعنی القرآن فمما لایلیق بہ لان الزیادۃ فیہ مجمع علی بطلانہ والنقصان منہ فالظاہر ایضا من مذہب المسلمین خلافہ وھو الالیق بالصحیح من مذہبنا کما نصرہ المرتضی وھو الظاہر من الروایات۔

قرآن مجید کے متعلق زیادتی ونقصان کی بات کا زبان سے نکالنا مناسب نہیں ہے اس لیے کہ زیادتی کے تو بطلان پر اجماع ہے اور نقصان کے متعلق بھی عام مسلمانوں کے مذہب کا ظاہر یہی ہے کہ نقصان نہیں ہوا ہے ہماری جماعت شیعہ کا بھی صحیح مذہب یہی کہا جا سکتا ہے جس کو سید مرتضیٰؒ نے تقویت دی ہے اور وہ ائمہ کے روایات سے بھی ظاہر ہوتا ہے۔

(۴) امین الاسلام شیخ ابو علی طبرسی تفسیر مجمع البیان میں کہتے ہیں۔

اما الزیادۃ فیہ فمجمع علی بطلانہ واما النقصان فیہ فقد روی جماعۃ من اصحابنا وقوم من حشویۃ العامۃ ان فی القرآن تغیرا ونقصانا والصحیح من مذہب اصحابنا خلافہ وھو الذی نصرہ المرتضی قدس اللہ روحہ

قرآن میں زیادتی کا ہونا تو باجماع باطل ہے اور کمی کے متعلق کچھ شیعہ وسنی محدثین نے روایات نقل کر دیئے ہیں کہ اس قرآن میں کچھ تغیر وتبدل اور

نقصان ہوا ہے لیکن ہمارے علماء میں جو صحیح مذہب ہے وہ اس کے خلاف ہے اور یہی وہ ہے جس کو سید مرتضیٰ رح نے ثابت کیا ہے۔

(۵) فاضل تونی ملا عبداللہ بشرینی خراسانی شرح وافیہ مطبوعہ لکھنؤ ص۲۳-۵ میں لکھتے ہیں قد وقع الخلاف فی تغیرہ فقیل ان فیہ زیادۃ ونقصانا وبہ روایات کثیرۃ رواھا الکلینی و علی بن ابراھیم فی تفسیرہ والمشھور انہ محفوظ و مضبوط کما انزل لم یتبدل ولم یتغیر حفظہ الحکیم الخبیر

قرآن مجید میں تغیر و تبدیل واقع ہونے کے متعلق اختلاف ہوا ہے بعض نے کہا ہے کہ اُس میں کچھ الفاظ کی کمی زیادتی ہوئی ہے اور اس کے متعلق بہت سی روایتیں بھی وارد ہوئی ہیں جن کو کلینی و علی بن ابراہیم نے درج کیا ہے لیکن مشہور بین العلماء یہ ہے کہ وہ جتنا نازل ہوا تھا اتنا ہی محفوظ و مضبوط ہے اور اُس میں تغیر و تبدیل نہیں ہوئی۔ خدا نے اُس کی حفاظت فرمائی ہے۔

(۶) علامہ محمد حسن آشتیانی رح بحر الفوائد فی شرح الفرائد مطبوعہ ایران ص۹۹ میں لکھتے ہیں المشھور بین المجتھدین والاصولیین بل اکثر المحدثین عدم وقوع التغیر مطلقا بل ادعی غیر واحد الاجماع علی ذلک سیما بالنسبۃ الی الزیادۃ۔

" قول مشہور مجتہدین اور اصولیین بلکہ اکثر محدثین کے درمیان بھی یہی ہے کہ قرآن میں تغیر و تبدیلی بالکل نہیں ہوئی ہے بلکہ متعدد حضرات نے

اس پر اجماع کا دعوی کیا ہے خصوصاً زیادتی کے متعلق"۔

اس کے بعد طرفین کے ادلہ نقل کرنے کے بعد خود محاکمہ فرماتے ہوئے لکھا ہے۔ الاخبار الدالۃ بظاہرھا علی حدوث التغییروان کانت کثیرۃ الا ان اکثرھا الا ماشذ ضعیفۃ السند ویمکن دعوی تواترھا فلا یقدح ضعف السند فیھا لکن الانصاف عدم نصوصیتھا فیما ذکرہ الاخباریون وقوۃ احتمال ارادۃ ما عرفتہ من وجوہ المعانی فیھا۔

"وہ اخبار جو ظاہری طور پر تغییر کے وقوع کو بتلاتے ہیں وہ بہت ہیں مگر وہ سوائے شاذ و نادر کے اکثر ضعیف السند ہیں۔ ہاں اُن کے تواتر کا ادعا کر کے یہ کہا جا سکتا ہے کہ ضعف سند میں کوئی مضائقہ نہیں لیکن انصاف یہ ہے کہ وہ اخباریین کے قول کو صریحی طور پر بتلاتے بھی نہیں اور احتمال قوی ہے کہ اُن سے مراد وہی معانی ہوں جو اُن اخبار کی تاویل میں ذکر کیے گئے ہیں"۔

یہ تو وہ عبارات ہیں جو بحالت موجودہ ہمارے پیش نظر ہیں۔ اس کے علاوہ شیخ مفید علیہ الرحمہ نے کتاب المقالات میں لکھا ہے۔

قد قال جماعۃ من اہل الامامۃ انہ لم ینقص من کلمۃ ولا من ایۃ ولا من سورۃ۔

"ایک جماعت نے امامیہ میں سے کہا ہے کہ قرآن میں سے کوئی سورہ کوئی آیت بلکہ کوئی کلمہ بھی کم نہیں ہوا ہے"۔ سید محسن اعرجیؒ نے شرح وافیہ

ہیں اور شیخ فتح اللہ کاشانی رحؒ نے تفسیر منہج الصادقین میں بھی اس خیال پر زور دیا ہے۔

ان حضرات کے خلاف کچھ علماء جن میں اکثر اخباری اور بعض اصولیین داخل ہیں مذکورۂ سابق روایات کی بنا پر اس امر کے قائل ہو گئے ہیں کہ قرآن میں کمی واقع ہوئی ہے اور محدث نوری نے تو اس موضوع پر مستقل کتاب لکھ ڈالی ہے جس کا نام "فصل الخطاب فی تحریف کتاب رب الارباب" ہے لیکن اس کتاب کو عام طور پر علمائے شیعہ نے نظر قبول سے نہیں دیکھا تھا چنانچہ آقا محمد مہدی موسوی کاظمی اپنی کتاب "احسن الودیعة فی تراجم علماء الشیعة" مطبوعۂ بغداد ص۹۰ میں محدث نوری کے حالات اور اُن کے مصنفات کی فہرست لکھتے ہوئے رقمطراز ہیں۔

فصل الخطاب فی تحریف کتاب رب الارباب طبع فی ایران علی الحجر بقطع امالی شیخنا الطوسی ولیته ما الّفه وقد کتب فی رده بعض العلماء رسالة شریفة بیّن فیها ماهو الحق وشنّع علی المحدث النوری علماء زمانه

فصل الخطاب در اثبات تحریف کتاب ایران میں امالی شیخ طوسیؒ کی تقطیع پر طبع ہوئی ہے اور کاش انھوں نے یہ کتاب نہ لکھی ہوتی اور اسی زمانہ میں بعض علمائے اُس کی رد میں ایک رسالۂ شریفہ تصنیف کیا تھا جس میں اس مسئلہ میں جو قول حق ہے اُس کو واضح کیا تھا اور محدث نوری پر اس کتاب کی وجہ سے اُن کے زمانہ کے علماء نے طعن و تشنیع کی"۔

اس صورت حال کے بعد فرقۂ شیعہ کی طرف متفقہ حیثیت سے یہ نسبت دینا کہ وہ تحریف قرآن کا قائل ہے کتنا بڑا صریحی ظلم ہے!

قائلین تحریف کا ایمان بالقرآن

عام طور پر اس خیال کی نشر و اشاعت کی جاتی ہے کہ تحریف قرآن کا عقیدہ ایمان بالقرآن کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتا اس لیے کہ جس کتاب میں تغیر و تبدیل اور حذف و اسقاط عمل میں آگیا ہو وہ درجۂ اعتبار سے ساقط ہو گئی اور یہ حق باقی نہیں رہا کہ اس پر ایمان کا دعویٰ کیا جائے لیکن یہ خیال حقائق مذہب اور احکام عقل سے ناواقفیت کا نتیجہ ہے۔

ہم نے "معیار حجیت بائبلہ اعتبار" کے تحت میں اس امر کی کافی توضیح کر دی ہے کہ تحریف کا اجمالی ثبوت جس کے اندر مخصوص موارد اور خاص نوعیت کی تعیین نہ ہو بے شک تمام کتاب کو غیر معتبر بنانے کا سبب ہو سکتا ہے لیکن تحریف کا ثبوت اس طرح کہ اُس کے مقامات کی تعیین اور نوعیت کا علم ہو جائے موجودہ حصہ کے اعتبار پر کوئی اثر نہیں ڈال سکتا جبکہ موجودہ حصہ کے متعلق قطعی دلائل بھی موجود ہوں کہ جو اُس کے حجیت و اعتبار کے ضامن ہیں۔

علمائے شیعہ میں سے وہ افراد جو مذکورۂ سابق روایات کے ظاہری مفاد کی بنا پر موجودہ قرآن میں نقصان و تحریف کے قائل ہو گئے ہیں

اُن کے عقیدۂ تحریف کی نوعیت یہی ہے۔

گذشتہ روایات کو اُن تمام اقسام کے ساتھ جنھیں ہم نے ترتیب دار پیش کیا ہے۔ اگر اسی اعتبار سے دیکھا جائے کہ اُن میں تحریف قرآن کا اظہار کیا گیا ہے تو اُن سے ثبوت تحریف کا اجمال ایک محدود دائرہ کی تفصیل پر منطبق ہو جاتا ہے جس کے بعد قرآن مجید پر عمل اور اُس سے احکام شرعیہ کے استفادہ میں کوئی رکاوٹ پیدا نہیں ہوتی۔

ایک قسم کے روایات کا یہ مفاد کہ تحریف ہوئی ہے اور دوسری قسم میں اُس کی تشریح کہ یہاں یہ نام تھا وہ ساقط ہوا اور وہاں وہ نام تھا وہ حذف ہو گیا اور پھر تیسری قسم میں نوعیت تحریف کا بیان کہ اُس سے وہ جو اہل بیت کی خلافت اور اُن کے معاندین کی مخالفت میں صراحتیں تھیں جاتی رہی ہیں اس سب کا مجموعہ موجودہ اجزائے قرآن اور اُن سے مستفاد شدہ احکام شرعیہ کی حقانیت وصداقت کو اُس تحریف کی زد سے الگ کر دیتا ہے۔

اب ذرا انصاف کی آنکھیں کھول کر دیکھئے کہ تحریف کے متعلق دو قسم کی روایتیں ہیں۔

ایک وہ جو اجمالی طور پر قرآن کے اندر تغییر و تحریف کا پتہ دیتی ہیں دوسری وہ جو تحریف کے مواد کو معین اور اُس کی نوعیت کو واضح کر دیتی ہیں

پہلی قسم کی روایتیں اگر تنہا ہوں تو قرآن کے ہر ہر جزو کو مشکوک بنا دیتی ہیں لیکن دوسری قسم کے روایات کا ضمیمہ بڑے حصہ کو قرآن کے

تحریف سے علیحدہ کر دیتا ہے۔

پہلے قسم کے روایات سنی و شیعہ دونوں کی کتابوں میں مذکور ہیں اور اہل سنت کے جوامع حدیث میں نمایاں طور پر انھیں جگہ دی گئی ہے جس کی تصدیق کے لیے اگر چاہیے تو اسی کتاب کے وسطی حصہ کا چند ورق الٹ کر دوبارہ مطالعہ کر لیجیے۔

لیکن دوسری قسم کے روایات کتب شیعہ سے مخصوص ہیں اور اُن کا پتہ اہل سنت کے جوامع حدیث میں نہیں ہے اب بتلائیے کہ قرآن کے سند و اعتبار کی حفاظت کس فریق نے کی اور ایمان بالقرآن کا دعویٰ کس کو زیادہ زیب ہے۔

درحقیقت شیعوں نے رسولؐ کے بعد ایک معصوم کے وجود کو تسلیم کر کے اپنے لیے یقینی طور پر مذہب پر کاربند ہونے کا اور حقائق ایمان پر اعتقاد رکھنے کا دروازہ کھلا رکھا ہے اور انہی ائمہ معصومین علیہم السلام کے بیانات وہ ہیں جو قرآن مجید کے متعلق ہر تاریک پردہ کو چاک کر کے اپنے برق پر تو ہدایات کا چراغ روشن کیے ہوئے ہیں:-

قرآن مجید کے حجیّت و اعتبار کی قطعی دلیل

ائمہ اہل بیت علیہم السلام کے متفقہ اقوال

علمائے شیعہ و حفاظ ملت کے مستند کتب احادیث و جوامع اخبار میں ایسے

احادیث کا بڑا ذخیرہ ہے جن سے موجودہ قرآن مجید کا اعتبار و استناد اور اُس کے کلام الٰہی ہونے کا اعتقاد اور اُس پر عمل کا واجب و لازم ہونا یقینی طور پر ثابت ہے لیکن اگر میں اُن تمام احادیث کو درج کرنا چاہوں تو میرا یہ رسالہ ایک مبسوط کتاب کی شکل اختیار کر لے گا جس کے لیے مجھے دقت و فرصت کی کمی اجازت نہیں دیتی اور پھر جبکہ میرا رسالہ موجودہ حالت ہی میں اُس مقدار سے آگے بڑھ گیا ہے جس کا میرے دل میں قبل سے ارادہ تھا لہٰذا اس باب کو اُسی حد تک کہ جس کی بہت زیادہ ضرورت محسوس ہوگی وسعت دے کر ختم کر دوں گا۔ اور ناظرین کو بقیہ نظائر و امثال کے لیے کتب احادیث کے تتبع کی دعوت دوں گا۔

موجودہ قرآن کے متعلق حقیقی جامع قرآن امیر المومنینؑ کے اقوال

(۱) نہج البلاغہ مطبوعہ مصر ج ۱ صفحہ ۲۷

کتاب اللہ بین اظھرکم ناطق لا یعیی لسانہ وبیت لا تھدم ارکانہ وعز لا تھزم اعوانہ۔

"کتاب الٰہی تمہارے اندر موجود ہے، وہ ایسا خطیب ہے جس کی زبان تھکنے والی نہیں اور ایسا قلعہ محکم ہے جس کے ستون منہدم ہونے والے نہیں اور ایسا نقطۂ عزت ہے جس کے طرف دار شکست کھانے والے نہیں۔"

maablib.org

(۲) صفحہ ۲۰۳

علیکم بکتاب اللہ فانہ الحبل المتین والنور المبین والشفاء

النافع والری الناقع والعصمة للمتمسك والنجاة للمتعلق لا یعوج فیقام ولا یزیغ فیستعتب ولا تخلقه کثرة الرد وولوج السمع من قال به صدق ومن عمل به سبق۔

دیکھو کتاب خدا (قرآن) پر عمل کرتے رہو اس لیے کہ یہ (خدا کی) ریسمان محکم اور ضیائے روشن اور (امراض نفس کا) فائدہ پہونچانے والا درمان اور (تشنگان ہدایت کی) سیرابی کا سامان اور دامن تھامنے والے کے لیے بہترین محافظ اور وابستہ ہونے والے کے لیے نجات کا ذریعہ ہے وہ کبھی کج ہونے والا نہیں کہ اُس کو سیدھا کرنے کی ضرورت ہو اور نہ وہ صحیح راستے سے مڑنے والا ہے کہ اُسے پلٹانے کا موقع پیش آئے۔ بار بار کانوں میں گوش زد ہوتا اُس کو کہنہ نہیں کرتا جو اُس کے موافق بات کہے وہ سچا اور جو اُس پر عمل کرے وہ کامیاب ہے۔

(۳) ص۳۱ اعلموا انّ هذا القرآن هو الناصح الذی لا یغش والهادی الذی لا یضلّ والمحدّث الذی لا یکذب ما جالس هذا القرآن احد الا قام عنه بزیادة او نقصان زیادة فی هدی او نقصان من عمی واعلموا انّه لیس علی احد بعد القرآن من فاقة ولا لاحد قبل القرآن من غنی فاستشفوه من ادوائکم واستعینوا به علی لاوائکم فان فیه شفاء من اکبر الدّاء وهو الکفر والنفاق والغیّ والضلال فاسألوا الله به وتوجهوا الیه بحبّه ولا تسألوا به خلقه انه ما توجه العباد الی الله بمثله واعلموا انه شافع ومشفّع وقائل ومصدّق وانه من شفع له القرآن یوم القیامة شفع لیدن

محل به القرآن یوم القیامة صدق علیه فانه ینادی منادیوم القیامة الا ان کل حارث مبتلی فی حرثه وعاقبة عمله غیر حرثة القرآن فکونوا من حرثته واتباعه واستدلوه علی ربکم واستنصحوه علی انفسکم واتهموا علیه آراءکم واستغشوا فیه اهواءکم۔

یقین جانو کہ یہ قرآن وہ ناصح ہے جو دھوکا نہ دے اور وہ راہنما ہے جو کبھی گمراہ نہ کرے اور وہ بات کرنے والا ہے جو کبھی جھوٹ نہ بولے، کوئی اس قرآن کا ہمدم نہیں بنا۔ مگر یہ کہ اُس میں زیادتی پیدا ہوئی۔ یا کمی زیادتی ہدایت میں اور کمی ضلالت میں اور یقین جانو کہ قرآن کے ساتھ کسی کو احتیاج باقی نہیں رہ سکتی اور قرآن کے بغیر استغنا ممکن۔ اس کو تم اپنے امراض کے لیے ذریعۂ شفا اور اپنی مصیبت کے وقت پر مددگار قرار دو اس لیے کہ اس میں سب سے بڑے مرض کی شفا موجود ہے جس کا نام ہے کفر اور نفاق اور کور باطنی و گمراہی، خدا سے اس قرآن کے ذریعہ سے سوال کرو اور اسی کی محبت کے ساتھ اُس کی بارگاہ کی طرف رُخ کرو۔ لیکن اس قرآن کو مخلوق کے پاس رشوت ستانی کا ذریعہ نہ بناؤ۔ بے شک خدا کی بارگاہ میں اس سے بڑھ کر کوئی وسیلہ نہیں۔ یقین جانو کہ یہ قرآن شفاعت کرنے والا اور اس کی شفاعت قبول کی جانے والی ہے۔ جس کی سفارش رُوز قیامت قرآن کردے گا اُس کے متعلق سفارش منظور ہوگی اور جس کی شکایت روز قیامت قرآن کردے گا تو اُس کے خلاف اُس کی شکایت مسموع ہوگی۔ روز قیامت آواز

دی جائے گی کہ ہر کاشت کار آج اپنی کاشت کے حساب میں مبتلا ہوگا سوا اُس شخص کے جس نے کشت قرآن کو سرسبز کیا ہو۔ پھر کیوں نہ تم سب لوگ کشت قرآن کے کارندے اور اتباع ہو جاؤ اور اس قرآن کو اپنے رب کی جانب اپنا رہنما قرار دو اور اپنے نفسوں کے خلاف اُس کی نصیحتوں کو قبول کرو اور اس کے مطالب میں خود اپنے ذاتی خیالات پہ بے اعتمادی کرو اور اپنے خواہشاتِ نفس کو خود فریبی سمجھو۔

(۴۴) ص ۲۸۴

انہ سیأتی علیکم من بعدی زمان لیس فیہ شیء اخفی من الحق ولا اظہر من الباطل ولا اکثر من الکذب علی اللہ و رسولہ ولیس عند اہل ذلک الزمان سلعۃ ابور من الکتاب اذا تلی حق تلاوتہ ولا انفق منہ اذا حرّف عن مواضعہ ولا فی البلاد شیء انکر من المعروف ولا اعرف من المنکر فقد نبذ الکتاب حملتہ وتناساہ حفظتہ فالکتاب یومئذ واہلہ طریدان منفیّان وصاحبان مصطحبان فی طریق واحد لا یؤویہما مؤو فالکتاب واہلہ فی ذلک الزمان فی الناس ولیسا فیہم ومعہم لان الضلالۃ لا توافق الہدی وان اجتمعا فاجتمع القوم علی الفرقۃ وافترقوا من الجماعۃ کانّہم ائمۃ الکتاب ولیس الکتاب امامہم فلم یبق عندہم منہ الا اسمہ ولا یعرفون الا خطہ وزبرہ۔

maablib.org

"یقیناً میرے بعد ایک زمانہ آنے والا ہے جس میں کوئی شے حق سے زیادہ مخفی اور باطل سے زیادہ ظاہر نہ ہوگی، اُس زمانہ والوں کے نزدیک قرآن سے زیادہ کوئی چیز بے قیمت نہ ہوگی جب اُس کو حق تلاوت ادا کرتے ہوئے پڑھا جائے (یعنی اُس کے صحیح معانی کے ساتھ اُس کے آیات کو پیش کیا جائے) اور اسی قرآن سے زیادہ کوئی شے رائج نہ ہوگی جبکہ اُس کو اُس کے مقامات سے ہٹا دیا جائے (یعنی اُس کے معانی میں تراش خراش کرکے اصلی مقاصد سے دُور کر دیا جائے) کوئی شے عالم میں معروف سے زیادہ منکر اور منکر سے زیادہ معروف نہ ہوگی، قرآن کو اُس کے حاملین نے پس پشت ڈال دیا ہوگا اور اُس کی حفظ کے دعویدار افراد نے اُس کو بھلا دیا ہوگا۔ اُس دن قرآن اور حقیقی اہل قرآن شہر بدر اور جلا وطن ہوں گے، وہ دونوں ایک دوسرے کے ہم نفس اور ہمدم ہوں گے کہ اُن دونوں کو کوئی پناہ دینے والا نہ ملتا ہوگا۔ قرآن اور اہل قرآن اس وقت لوگوں کے اندر ہوں گے لیکن گویا وہ ان کے اندر اور اُن کے ساتھ نہیں ہیں اس لیے کہ ضلالت ہدایت کے موافق نہیں ہوسکتی اگرچہ ایک جگہ پر ہو۔ وہ لوگ افتراق پر مجتمع اور نقطۂ اجتماع سے متفرق ہوں گے گویا وہ قرآن کے خود رہنما ہیں (کہ جدھر چاہیں اُس کو پھیر لیں) نہ یہ کہ قرآن اُن کا راہنما ہے۔ اُن کے پاس قرآن کا صرف نام باقی ہوگا اور وہ بس اُس کے خط اور حروف کو پہچانتے ہوں گے۔"

اس قسم کے واقعات کا اظہار درحقیقت تحذیر و تخویف کے طور پر کیا جاتا تھا اور غرض یہ تھی کہ لوگ اپنے طرز عمل کی نگرانی کرتے ہوئے اُس کو اپنے نتائج تک

پہونچنے سے روکتے رہیں۔

اس سے یقیناً قرآن مجید پر عمل اور اُس کے اتباع کی اہمیت اور اُس کے صحیح معانی کے فہم میں تدبر کی ضرورت کا اندازہ ہوتا ہے اور اس فقرہ سے کہ کتاب و اہل کتاب اس وقت لوگوں کے ساتھ ہوں گے مگر نہیں اس لیے کہ حق و ضلال ایک ساتھ جمع نہیں ہوتے" قرآن مجید کی حقانیت وصداقت پر نیز روشنی پڑتی ہے۔

آخری فقرہ کہ لا یعرفون الا خطہ و زبرہ اس امر کی صریح دلیل ہے کہ تحریف سے مراد معنوی تراش وخراش ہے ورنہ الفاظ قرآن محفوظ ہوں گے۔

احادیث کی صحت کا معیار قرآن ہے

ایسے احادیث جوامع حدیث میں اس کثرت سے ہیں کہ جس میں تواتر کا ادعا کیا جا سکتا ہے، جن کا مفاد یہ ہے کہ احادیث کی صحت و عدم صحت کا معیار قرآن مجید ہے۔ ان میں سے پانچ حدیثیں تو اصول کافی ہی میں مذکور ہیں۔

(۱) علی بن ابراھیم عن ابیہ عن النوفلی عن السکونی عن ابی عبد اللہؑ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم ان علی کل حق حقیقۃ وعلی کل صواب نورا فما وافق کتاب اللہ فخذوہ وما خالف کتاب اللہ فدعوہ

امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں کہ حضرت رسول خدا نے ارشاد کیا ہر حق کے لیے حقیقت نما علامات ہیں اور ہر واقعیت کے لیے روشنی ہے تو جو چیز کتاب خدا کے موافق ہو اُس کو لے لو اور جو چیز کتاب خدا کے خلاف ہو اُس کو ترک کر دو۔

(۲) محمد بن یحیی عن عبد اللہ بن محمد عن علی بن الحکم عن ابان بن عثمان عن عبد اللہ بن ابی یعفور قال وحدثنی حسین بن ابی العلاء انہ حضر ابن ابی یعفور فی ھذا المجلس قال سألت ابا عبد اللہؑ عن اختلاف الحدیث یرویہ من نثق بہ ومن لا نثق بہ قال اذا ورد علیکم حدیث فوجدتم لہ شاھدا من کتاب اللہ عزوجل او من قول رسول اللہؐ و الا فالذی جاءکم اولی بہ۔

امام جعفر صادقؑ سے دریافت کیا گیا کہ ہمارے سامنے مختلف احادیث آتے ہیں جن میں سے بعض کے راوی موثق اور بعض کے غیر موثق ہیں اور پھر اُن کے مفاد میں اختلاف ہے ایسی صورت میں کیا کرنا چاہیے؟ حضرت نے فرمایا جب تمہارے سامنے کوئی حدیث پیش ہو اور اُس کا کوئی شاہد کتاب خدا یا سنت رسولؐ سے موجود ہو تو اُس پر عمل کرو۔ ورنہ جو شخص اُس روایت کو نقل کر رہا ہے وہی اُس پر عمل کا زیادہ مستحق ہے۔

(۳) عدۃ من اصحابنا عن احمد بن محمد بن خالد عن ابیہ عن النضر بن سوید عن یحیی الحلبی عن ایوب بن الحر قال سمعت

اباعبداللہؑ یقول کل شیٔ مردود الی الکتاب والسنۃ وکل حدیث لا یوافق کتاب اللہ فھو زخرف۔

امام جعفر صادقؑ کا ارشاد ہے کہ ہر شے کتاب وسنت کی جانب راجع ہونا ضروری ہے اور جو حدیث کتاب خدا کے موافق نہ ہو وہ بناوٹی ہے۔

(۴) محمد بن یحییٰ عن احمد بن محمد بن عیسیٰ عن ابن فضال عن علی بن عقبۃ عن ایوب بن راشد عن ابی عبداللہؑ قال ما لم یوافق من الحدیث القرآن فھو زخرف۔

"جو حدیث قرآن کے ساتھ مطابقت نہ رکھتی ہو وہ بناوٹی ہے۔

(۵) محمد بن اسمٰعیل عن الفضل بن شاذان عن ابن ابی عمیر عن ھشام بن الحکم وغیرہ عن ابی عبداللہؑ قال خطب النبیؐ بمنیٰ فقال ایھا الناس ما جاءکم یوافق کتاب اللہ فانا قلتہ وما جاءکم یخالف کتاب اللہ فلم اقلہ۔

امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں کہ رسالت مآبؐ نے منیٰ میں خطبہ ارشاد کیا اور اس میں فرمایا کہ جو حدیث تمھارے سامنے ایسی پیش ہو کہ وہ کتاب خدا کے ساتھ موافق ہے تو وہ میرا قول ہوگا اور جو حدیث ایسی آئے کہ وہ کتاب خدا کے مخالف ہے اُس کو سمجھنا کہ میں نے نہیں کہا ہے"۔

دوسرے کتب اخبار میں ایسی ہی حدیثیں اس سے زیادہ موجود ہیں اور باوجود اختلاف مفاد کے ان سب کا متفقہ مضمون یہ ہے کہ قرآن احادیث کی جانچ کا معیار ہے۔ اب اگر یہ قرآن کہ جو مسلمانوں کے ہاتھ

میں موجود ہے۔ ائمہ معصومین علیہم السلام کے نزدیک مصدق اور تسلیم شدہ نہ ہوتا تو اس کو احادیث کی صحت و عدم صحت کا معیار قرار دینا صحیح نہ تھا۔ ان میں سے وہ احادیث کہ جو جناب رسالت مآبؐ سے منقول ہیں ان کو بھی چونکہ ائمہ اہلبیت علیہم السلام نے معیار بتلاتے ہوئے نقل کیا ہے اس لیے اُن کی تطبیق بھی اسی قرآن پر ہے کہ جو عام ہاتھوں میں موجود ہے

قرآن کی مخالفت کفر ہے

محمد بن اسمٰعیل عن الفضل بن شاذان عن ابن ابی عمیر عن بعض اصحابہ قال سمعت اباعبد اللہ علیہ السّلام یقول من خالف کتاب اللہ و سنۃ محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فقد کفر۔

امام جعفر صادق علیہ السّلام نے فرمایا کہ جو شخص کتاب الٰہی اور سنت رسالت مآبؐ کی مخالفت کرے وہ کافر ہے۔

قرآن نشانِ ہدایت ہے

(۱) محمد بن یحییٰ عن احمد بن محمد عن محمد بن احمد بن یحییٰ عن طلحۃ بن زید عن ابی عبد اللہؑ قال ان ھذا القرآن

فیہ منار الھدی ومصابیح الدجی فلیجل جال بصرہ و یفتح للضیاء نظرہ فان التفکر حیوۃ قلب البصیر کما یمشی المستنیر فی الظلمات بالنور۔

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا یقیناً یہ قرآن اس میں نشان ہیں ہدایت کے اور چراغ ہیں تاریکی ضلالت کے لیے، جس کو منظور ہو وہ اس سے اپنی بصیرت کو جلا دے اور اس کی روشنی کے لیے آنکھ کھول کر دیکھے کیونکہ غور و فکر کرنا بصیرت رکھنے والے انسان کے لیے سبب زندگی ہے جس طرح چراغ کی روشنی سے انسان تاریکی میں راستہ قطع کر لیتا ہے۔

(۲) علی بن ابراھیم عن محمد بن عیسیٰ عن یونس عن ابی جمیلۃ قال قال ابو عبد اللہؑ کان فی وصیۃ امیر المومنینؑ اصحابہ اعلموا ان القرآن ھدی النھار ونور اللیل المظلم علی ما کان من جھد وفاقۃ

"امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ امیر المومنین علیہ السلام اپنی وصیت میں اصحاب سے فرمایا کرتے تھے یقین جانو کہ یہ قرآن دن کو راہنما اور شب تاریک کی روشنی ہے جو سخت ترین ضرورت کے موقع پر بکار آمد ہے۔

قرآن جنت کا راہنما اور جہنم سے سدِّ راہ ہے

حمید بن زیاد عن الحسن بن محمد عن وھیب بن حفص عن

ابی بصیر قال سمعت اباعبد اللہؑ یقول ان القرآن زاجر وآمر یأمر بالجنۃ ویزجر عن النار۔

امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ قرآن روکنے والا اور حکم دینے والا ہے، حکم دیتا ہے جنت کی طرف جانے کا اور روکتا ہے آتش جہنم میں جانے سے۔

اس کے علاوہ تلاوت قرآن کے فضائل، حامل قرآن کا درجہ، حفظ قرآن کا ثواب، تعلیم قرآن کی اہمیت، تدبر فی القرآن کا حکم یہ وہ ابواب ہیں جن میں احادیث حد تواتر تک پہونچے ہوئے ہیں اور اصول کافی کا آخری حصہ ان احادیث سے مملو ہے۔

پھر وہ مقامات جہاں ائمہ معصومین علیہم السلام نے احکام شرعیہ کے لیے آیات قرآن سے تمسک کرکے علمائے مذہب کو ظواہر قرآن سے استفادۂ احکام کا سبق دیا ہے مثلاً عبدالاعلیٰ مولیٰ آل سام کے سوال پر کہ اگر انگلی میں زخم ہوا اور اُس کو کھول نہ سکتا ہو تو کیا کرے حضرت نے جبیرہ کا حکم دیا اور فرمایا کہ ھذا وامثالہ یعرف من کتاب اللہ تعالیٰ ماجعل علیکم فی الدین من حرج۔

"یہ اور اس کی ایسی دوسری جو صورتیں ہوں اُن کا حکم تو اس آیت سے معلوم ہو جاتا ہے کہ خداوند عالم نے تمھارے لیے دین میں عسر و حرج نہیں قرار دیا ہے"۔

یا زرارہ کے سوال پر کہ کہاں سے ثابت ہوا مسح سر کے بعض حصہ پر ہو

حضرت نے فرمایا لمکان الباء فی قولہ تعالیٰ وامسحوا برؤسکم اس لیے کہ خداوند عالم نے وامسحوا برؤسکم فرمایا ہے یہ نہیں کہا کہ امسحوا رؤسکم۔

ان تمام احادیث سے صاف ظاہر ہے کہ ائمہ اہلبیت علیہم السّلام نے موجودہ قرآن کو تسلیم کر لیا تھا اور وہ اس کو کتاب الٰہی اور واجب العمل قرار دیتے تھے۔

اور پھر اوسط زمانۂ بنی عباس میں خصوصاً امام جعفر صادق علیہ السلام اور امام رضا علیہ السّلام کے عہد میں تقیہ کا شکنجہ ایسا نہ تھا جو ائمہ معصومین کی زبان کو اظہار حقائق سے بالکل روکے رہتا۔ لیکن کسی ایک حدیث سے بھی اس کا پتہ نہیں دیا جا سکتا کہ امام نے کبھی کسی صحابی کو اس قرآن پر عمل کرنے سے اور اس سے احکام کا استفادہ کرنے سے منع کیا ہو یا نماز یا غیر نماز میں اس قرآن کے علاوہ کسی قرآن کی تلاوت کی ہدایت کی ہو۔

امام ابو حنیفہ وقتادہ وغیرہ دیگر علمائے وقت کو پوری آزادی کے ساتھ امام ؑ نے اپنی رائے پر عمل کرنے اور اپنے اجتہاد کے مطابق فتویٰ دینے سے منع کیا ہے لیکن اس کی وجہ یہی بتلائی گئی کہ تم محکم و متشابہ ناسخ و منسوخ تنزیل و تاویل کا علم نہیں رکھتے اور قرآن کے مطالب کو وہی سمجھ سکتا ہے جس نے سینہ بہ سینہ اس کے معانی و مطالب کو حاصل کیا ہو لیکن کبھی یہ نہیں کہا گیا کہ یہ قرآن محرف ہے اس لیے اس سے استفادہ

احکام جائز نہیں ہے۔

کیا ان تمام تصریحات اور ادلہ وشواہد کے بعد بھی یہ کہنا صحیح ہو سکتا ہے کہ ائمہ شیعہ سے اس قرآن کے متعلق کوئی تصدیق بھی صادر نہیں ہوئی ہے جو اُس کے کتاب الٰہی ہونے کی دلیل ہو؟

ائمہ علیہم السلام کے بعد اور زمانہ غیبت میں فقہائے مذہب اور علمائے ملت نے بھی ہر زمانہ اور عصر میں اپنے قول وعمل سے موجودہ قرآن کی مذہبی اہمیت کو محفوظ رکھا۔

دیکھئے فقہا کی کتابیں خط مصحف کو بغیر طہارت چھونا جائز نہیں سجدہ والے سوروں کا جنب وغیرہ کے لیے پڑھنا حرام۔ دوسرے سوروں کی آیتوں کا پڑھنا اُن کے لیے مکروہ، کافر کی ملکیت قرآن کے لیے ناجائز۔ اگر وہ خرید لے تو مجبور کرنا اُس کو فروخت پر لازم۔ موجودہ قرآن کے علاوہ کسی جز کو بہ حیثیت قرآن نماز میں پڑھنا حرام۔ نجاست کا قرآن تک پہونچانا گناہ کبیرہ احادیث میں جو قرآن کے بالکل خلاف ہو وہ مسترد۔ تعارض اخبار کے وقت کسی عموم واطلاق قرآن کے موافق ہونا وجہ ترجیح اور احکام شرعیہ کے ادلہ اربعہ میں سے قرآن کا پہلا درجہ۔

اِس کے بعد بھی کیا اُن کا ایمان بالقرآن کسی دلیل و برہان کا محتاج ہے۔؟

تمام بحث کا آخری نتیجہ

یا

میرا عقیدہ

موجودہ قرآن کلام الٰہی وحی آسمانی،

رسولؐ کا اعجاز اور مسلمانوں کے

لیے واجب العمل ہے۔ اُس کے کسی جزو

یا کلؐ کے مفاد کی مخالفت مخالفت خدا

ہے اور اُس کا اتباع ہر مسلمان کا رُکن

مذہب اور اہم ترین فریضہ ہے۔ موجودہ قرآن

MAAB 1431
maablib.org

کے علاوہ کسی سورہ کسی آیت کسی حرف کا

بھی جزو قرآن ہونا ثابت نہیں اور

نہ اُس پر احکام قرآن مرتب ہو سکتے

ہیں۔ واللہ یحق الحق بکلماتہ

لکھنؤ

علی نقی النقوی عفی عنہ

ختم تصنیف :۔ جمادی الاول ۱۳۵۱ھ

اختتام طبع ثانی : جمادی الحجہ ۱۳۵۱ھ

اختتام طبع ثالث :۔ جمادی الثانی ۱۳۸۶ھ

MAAB 14..
maablib.org

امامیہ مشن کی ممبری قبول فرماکر نصرت اہلبیت علیہم السلام کا فریضہ ادا کیجئے

تفصیل چندہ ممبری

۱۔ سرپرست مشن ۔ کم از کم پانچسو روپیہ یکمشت یا ایکہزار شلنگ

۲۔ مربیان مشن۔ " ایک سو روپیہ یکمشت یا دوسو شلنگ

۳۔ ارکان دوامی (لائف ممبر) پچاس روپیہ یکمشت یا زیادہ سے زیادہ دس قسطوں میں یا ایک سو شلنگ

۴۔ ہمدردان مشن۔ کم از کم بارہ روپیہ سالانہ یکمشت یا زیادہ سے زیادہ چار قسطوں میں

۵۔ ممبران خصوصی " چھ روپیہ سالانہ

۶۔ ممبران عمومی " ایک روپیہ سالانہ

نوٹ: صرفہ ڈاک میں اضافہ ہو جانے کے سبب ممبران خصوصی کے چندہ میں ۱۳۸۶ھ سے صرف ۵ روپے کا اضافہ کیا گیا ہے

حقوق ممبران

سرپرستان و مربیان مشن کی خدمت میں رکنیت سے قبل و بعد کے تمام رسائل (موجودہ اسٹاک) بلا طلب و بلا قیمت ارسال ہوتے رہتے ہیں۔

لائف ممبران و ہمدردان مشن کے خدمات میں ممبری کے بعد شائع ہونے والے تمام رسائل بلا طلب و بلا قیمت ارسال ہوتے ہیں اور اس کے قبل کے شائع شدہ رسائل اگر خریدنا چاہیں تو صرف نصف قیمت لی جاتی ہے۔

ممبران خصوصی کی خدمت میں ممبری کے بعد شائع ہونے والے رسائل بلا طلب و بلا قیمت ارسال ہوتے ہیں اور سابق کے رسائل کی پوری قیمت لی جاتی ہے۔

ممبران عمومی کو ممبری کے بعد شائع ہونے والے رسائل بشرط طلب صرف نصف قیمت پر دیئے جاتے ہیں

نوٹ:۔ مشن کا مالی سال محرم سے شروع ہو کر ذی الحجہ میں ختم ہوتا ہے، دوران سال میں کسی وقت بھی ممبری قبول کی جائے رکنیت محرم ہی سے شمار ہوگی اور گذرے سال کے رسائل کی رعایت حاصل ہوگی ممبران خصوصی و عمومی ہر سال آخر ذی الحجہ یا شروع ماہ محرم میں اپنا زر چندہ ضرور ارسال فرمایا کریں

الداعی الی الخیر:۔ سید ابن حسین نقوی عفی عنہ آنریری سکریٹری امامیہ مشن لکھنؤ ۳

تاریخ اسلام

ہمارے بزرگوں کو، جو ابتدا ہی سے سیاسی طاقتوں کے ظلم وجور کا نشانہ بنے رہے، اس کا موقع ہی کہاں ملا کہ وہ تاریخ اسلام کو اس کے اصلی خدوخال میں دنیا کے سامنے پیش کر سکتے ان کا یہی کارنامہ حیرت انگیز ہے کہ وہ ہمارے لیے عقائد واحکام شرعیہ کو جو "شیعی علم کلام" اور "فقہ جعفری" کی صورت میں ہے محفوظ کر گئے۔ اس اہم دینی ضرورت کی طرف بھی آپ کے مشن نے توجہ شروع کر دی ہے اور پہلا حصہ جو ہجرت تک کے حالات پر مشتمل ہے شائع کیا جا چکا ہے اور دوسرا حصہ بھی غزوہ احد تک شائع ہو چکا ہے۔ مزید حصص کی جلد اشاعت جب ہی ممکن ہے کہ افراد قوم آپ اس مشن کی توسیع ممبری اور عطایا کے ذریعہ امداد فرما کر عنداللہ وعندالرسولؐ ماجور ہوں۔

الداعی الی الخیر

سید ابن حسین عفی عنہ

آنریری امامیہ مشن لکھنؤ نمبر ۳

maablib.org

تراجم قرآن پاک

کلام الٰہی کے حقائق، معارف کو تمام اقوام عالم تک پہونچانے کے سلسلے میں سردست اردو میں ہر پارے کا ترجمہ مع حواشی شائع ہو رہا ہے۔ اب تک چار پاروں کے ترجمے شائع ہو چکے اور پانچویں پارے کی ترجمہ کی کتابت عنقریب شروع ہونے والی ہے۔ قیمت فی پارہ پچاس پیسے علاوہ خرچ ڈاک ہے۔

ان تراجم کی اشاعت کی رفتار کو تیز کرنے کے لیے اگر صاحبان خیر توجہ فرمائیں تو جلد ہی اس کام کو پایۂ تکمیل تک پہونچایا جاسکتا ہے۔ جن حضرات کو اُس منعم حقیقی نے توفیق دی ہے وہ اپنے مرحومین کے ارواح کو ایصال ثواب کے لیے ایک ایک پارے کی اشاعت کا صرفہ جو تقریباً دو ہزار روپیہ ہوتا ہے مرحمت فرما کر ماجور ہوں، دیگر افراد ماجور ہوں، دیگر افراد جزء رقم دیکر بھی امداد فرما کر اپنے مرحومین کے لیے ایک خیر جاری کا سلسلہ قائم کر سکتے ہیں۔

الساعی الی الخیر

سید ابن حسین عفی عنہ آنریری سکریٹری الامامیہ مشن لکھنؤ ۳

MAAB 1431
maablib.org

MAAB 1431
مرکز احیاء آثار برصغیر
maablib.org

صرف ٹائیٹل ہندوستان پرنٹنگ پریس فون نمبر ۲۷... گولا گنج لکھنؤ میں چھپا